THE ALFAZL
QADIAN

اخبار الفضل قادیان

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (سنہ ۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۷۳ | مورخہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۹۲۷ء | یوم سہ شنبہ | مطابق ۱۰ رمضان سنہ ۱۳۴۵ھ | جلد ۱۴

فہرست مضامین

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت پہلے کی نسبت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ حضور صبح کے وقت سیر کے لئے تشریف لے جاتے ہیں*

حرم ثالث حضرت خلیفۃ المسیح اور مولود مسعود بخیریت ہیں۔ حضور نے مولود کا نام رفیع احمد رکھا*

خاندان نبوت میں خیر و عافیت ہے*

مولوی محمد الدین صاحب بی اے ایڈیٹر "ریویو آف ریلیجنز" لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے بڑے لڑکے پر جو کالج میں پڑھتا ہے۔ نمونیہ کا خطرناک حملہ ہوا تھا خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔ کہ مرض ضعف پذیر ہو گیا۔ احباب پوری صحت کے لئے دعا فرمائیں*

بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی ہے۔ کہ جناب صوفی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس بخیریت ۱۲ مارچ بمبئی پہنچ گئے ہیں۔

مجلسوں میں چھوٹے بچے

ہماری جماعت کی قریباً تمام مجالس وعظ و نصیحت میں بر عایت پردہ مستورات کی شمولیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ خواتین نہ صرف خود مجالس کی کارروائی سے پوری طرح مستفیض نہیں ہوتیں۔ بلکہ مردوں کے لئے بھی سامان پریشانی و بے لطفی پیدا کر دیتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ اپنے ساتھ بچوں کو لا کر انہیں شور و شر مچانے اور کھیلنے کودنے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں۔ جو اپنی ناسمجھی کے باعث اس قدر اودھم مچاتے ہیں کہ کان پڑی آواز کا مطلب سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک موقعہ پر اس تکلیف کو محسوس کر کے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے اپنے خطبہ میں اس کا ذکر فرمایا تھا۔ اور مستورات کے لئے یورپ کی عورتوں کی مثال پیش کر کے نصیحت فرمائی تھی۔ بچوں کی ایسی تربیت کریں۔ کہ وہ مجالس میں امن اور خموشی کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ حضور نے فرمایا تھا۔ ولایت میں عورتیں اول تو ایسے بچوں کو لے جاتی ہی نہیں۔ جو رونے چیخنے سے لوگوں کی توجہ

پراگندہ کریں۔ اور اگر کوئی لے بھی جائے۔ تو جس وقت بچہ رونے یا شور مچانے لگتا ہے ماں فوراً اسے لیکر مجلس سے باہر چلی جاتی ہے اور جو بچے کچھ سمجھدار ہوتے ہیں۔ ان کی ایسی تربیت ہوتی ہے کہ وہ آرام کے ساتھ اپنے والدین کے پاس خوش بیٹھے رہتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس ضروری بات کو بھی بچوں کے شور و شر نے مستورات کے کانوں تک نہ پہنچنے دیا۔ اور وہ اس بارے میں اسی طرح غافل ہیں۔ جس طرح پہلے تھیں۔ کیونکہ مجالس میں بچوں کے شور مچانے میں ابھی تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ چونکہ یہ ایک بہت تکلیف دہ اور نقصان رساں بات ہے۔ اس لئے احمدی خواتین کو اس کے متعلق خاص طور پر توجہ دلائی جاتی ہے ؛

کسی وعظ، لیکچر یا درس قرآن کی مجلس میں یا جمعہ اور عیدین کے اجتماعوں میں اول تو بہت چھوٹے بچوں کو لے جانا نہیں چاہیئے۔ اور اگر لے جائیں۔ تو انہیں رونے یا پیشاب پاخانہ کے وقت فوراً مجلس سے باہر لے جانا چاہیئے۔ تاکہ دوسروں کی توجہ میں خلل واقع نہ ہو۔ اور جو بچے کچھ سیانے اور بات سمجھنے کے قابل ہوں۔ انہیں لے جا کر مجلس میں یا مجلس کے قریب اُچھلنے کودنے اور بھانت بھانت کی بولیاں بول کر شور مچانے کے لئے انہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ بلکہ اپنے پاس خموش بٹھائے رکھنا چاہیئے۔ اور جب معلوم ہو۔ کہ وہ بیٹھے بیٹھے اکتا گئے ہیں۔ تو فوراً گھر پہنچا دینا چاہیئے۔ تا مجلس میں بے مزگی نہ پیدا کریں کیونکہ بچے جب ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ تو کھیل کود کو انہیں شور مچانے کی سوجھتی ہے۔ اگر مائیں انہیں اپنے پاس بٹھائے رکھیں۔ تو انہیں اپنی علیحدہ مجلس قائم کر کے شور مچانے کا موقعہ ہی نہ ملے ؛

بچوں کو اگر مجالس میں خموش بیٹھنے کی عادت ڈالی جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ خود بخود اس کی پابندی کرنے لگ جائیں۔ مرکزی خواتین کو دینی اور مذہبی مجالس میں شامل ہونے کا چونکہ اکثر موقعہ ملتا رہتا ہے۔ اس لئے انہیں خاص طور پر اپنے اس فرض کو سر انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو بچوں کے متعلق ان پر عائد ہوتا ہے۔ اور آج کل رمضان المبارک میں جناب حافظ روشن علی صاحب کے روزانہ سوا پارہ کے درس میں چھوٹے بچوں کی ایک بڑی تعداد جو بہت بے لطفی پیدا کرتی ہے۔ اس کا تدارک کرنا چاہیئے۔ تا بچوں کے شور و شر کی وجہ سے سامعین قرآن کریم کا جو نقصان ہوتا ہے اس کا بار بچوں کی ماؤں پر نہ پڑے ؛

بعض اوقات عورتیں خود بھی باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں جس سے بہت شور پیدا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بھی احتیاط ہونی چاہیئے جب تک مائیں خود دوران لیکچر یا وعظ میں خموش رہنے کی عادی نہ ہونگی۔ اس وقت تک بچوں کو کس طرح خموش بٹھا سکتی ہیں ؛

اخبار احمدیہ

مجلس مشاورت کے نمائندے

تمام جماعتہائے احمدیہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اس سال مجلس مشاورت کے لئے جلد اپنے اپنے نمائندے منتخب کر کے خاکسار کو ان کے نام و پتہ سے مطلع فرمائیں۔ تا ان کے نام درج رجسٹر کر لئے جائیں۔ اور وقت پر ان کو آسانی سے ٹکٹ دیا جا سکے۔ جن جماعتوں کی طرف سے ۵ اپریل تک اطلاع نہیں پہنچے گی۔ ان کے سابقہ نمائندے ہی اس سال کے لئے بھی نمائندے سمجھے جائینگے ؛

(۲) جماعتوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے اپنے نمائندوں کو سرٹیفکیٹ دیکر بھیجیں۔ کہ ان کو جماعت نے منتخب کر کے بحیثیت نمائندہ بھیجا ہے جس کو وہ پیش کر کے دفتر ہذا سے ٹکٹ داخلہ حاصل کر سکیں گے ورنہ داخلہ کے وقت دقت ہوگی ؛

خاکسار یوسف علی سیکرٹری مجلس مشاورت قادیان

حج کے لئے جانیوالے

اس سال جو احمدی احباب حج بیت اللہ کے لئے جانے کا عزم رکھتے ہوں وہ اطلاع دیں تاکہ ان کے متعلق اعلان کیا جائے۔ اور جو بھائی جائیں۔ وہ ایک دوسرے سے مل سکیں۔ نیز اگر کوئی صاحب اپنی طرف سے یا اپنے والدین یا بیوی کی طرف سے حج بدل کرانا چاہیں تو ایڈیٹر الفضل کو مطلع فرمائیں۔ اس کے لئے نہایت عمدہ اور قابل اطمینان انتظام کر دیا جائے گا ؛

احتیاط

محکمہ ہذا کو معلوم ہوا ہے کہ کریم خان صاحب ساکن بلنگام اپنے آپ کو احمدی اور مفلس جتا کر احمدیوں سے خصوصاً اور دیگر لوگوں سے عموماً امداد کے طور پر روپیہ وصول کرتے پھرتے ہیں۔ محکمہ ہذا اس کے متعلق تحقیقات کر رہا ہے۔ لیکن اس وقت تک احتیاط اسی میں ہے۔ کہ کریم خان صاحب سے حتی الامکان بچا جائے۔ ناظر تعلیم و تربیت قادیان

نئی احمدیہ جماعتیں

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختلف مقامات میں نئی احمدی جماعتیں قائم ہو رہی ہیں چنانچہ تھوڑے عرصہ میں حسب ذیل مقامات پر نئی جماعتیں بنی ہیں۔ کمپالہ افریقہ۔ آبادان ایران۔ بالاکوٹ ہزارہ۔ چارسدہ سرائے نورنگ۔ رزمک وزیرستان۔ بہاول نگر۔ گھلن ضلع جالندھر کوٹری ضلع کراچی۔ لاڑکانہ سندھ۔ محبوب نگر دکن۔ دارجلنگ احباب ان کی ترقی کے لئے دعا کریں۔ ناظر بیت المال

گورنمنٹ اور سلسلہ احمدیہ

اکثر دوستوں کو اس امر کی ضرورت رہتی ہے۔ کہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق جو تعریفی الفاظ حکام نے وقتاً فوقتاً لکھے ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے نئے حکام اور افسروں کو دکھایا جائے۔ اس غرض کے واسطے دفتر ہذا نے ایک کتاب چھپوانی شروع کی ہے۔ جس میں سلسلہ اور گورنمنٹ کے تعلقات کو واضح کر دیا گیا ہے اس کتاب کی متعدد کاپیاں ہر جماعت کے سیکرٹری کے پاس محفوظ رہنی چاہئیں۔ تاکہ وقتاً فوقتاً کام آئیں۔ کتاب تیار کر کے مطبع میں بھیج دی گئی ہے۔ لیکن اس کی چھپائی کے لئے پیشگی رقم کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس واسطے احباب سے گذارش ہے۔ کہ اس کے اخراجات کے واسطے بحساب ۸ نسخہ کے واسطے ایک روپیہ (عہ) جلد ارسال فرمائیں۔ محمد صادق۔ ناظر امور خارجیہ قادیان

اعلان نظارت مقبرہ بہشتی

(۱) وصیت کا روپیہ بھیجتے وقت تفصیل ساتھ دینی چاہیئے۔ یعنی حصہ آمد۔ حصہ جائداد۔ شرط اول۔ تحصیلات۔ اعلان وصیت۔

(۲) حصہ آمد کا روپیہ ماہوار آنا چاہیئے۔ یعنی جنوری کا حصہ آمد فروری میں آ جانا چاہیئے تھا۔ جو تا ہنوز خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں نہیں پہنچا۔ اور فروری کا حصہ آمد مارچ میں آنا چاہیئے۔

(۳) زر وصیت ارسال کرتے وقت علاوہ تفصیل کے نمبر وصیت کا حوالہ دینا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ رقم مرسلہ فلاں ماہ کی آمد کا حصہ ہے۔ محمد سرور شاہ افسر مقبرہ بہشتی

درخواستہائے دعا

احباب عاجز کی روحانی ترقیات و سب مقاصد میں۔ برادرم چوہدری نور الدین صاحب کے عہدہ نائب تحصیلداری پر مامور ہونے .... کے لئے بشدہ دعا فرمائیں۔ عبد الغفور خان از کراچی

(۲) میرے والد صاحب کے بازو پر ایک پھوڑا نمودار ہوا ہے۔ جس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ احباب سلسلہ صحت کے لئے دردِ دل سے دعا فرمائیں۔ خاکسار نذیر احمد از جڑانوالہ

(۳) میاں امام الدین صاحب حکیم حاذق ساکن مدن چک (گوجرانوالہ) عرصہ دو سال سے بیمار ہیں۔ احباب ان کی صحت کے لئے دعا فرما کر مشکور فرمائیں۔ خاکسار عبد الرحمان بوتالوی ؛

مکتوب امام کے متعلق تصحیح

گذشتہ پرچہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا جو مکتوب درج ہوا ہے۔ اس میں ایک یہ فقرہ شائع ہوا ہے:۔

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلحاظ نبوت کے ایسے ہی نبی تھے جیسے کہ پچھلے نبی تھے۔ گو اقسام نبوت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی نبوت کو پچھلے انبیاء کی نبوۃ سے فوق ہے۔ یعنی پہلے نبی براہ راست نبوت پاتے تھے۔ اور آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے پائی“

اس عبارت میں ”فوق“ کا لفظ غلطی سے چھپ گیا ہے۔ اصل ”فرق“ ہے جیسا کہ سیاق سباق عبارت سے بھی ظاہر ہے ؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

یوم سہ شنبہ - قادیان دارالامان - ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء

چار لاکھ مسلمانوں کو مرتد کرنیوالے کا احترام کابل میں

"امان افغان" کی حمایت میں "زمیندار" کے دلائل

۲۷ فروری ۱۹۲۷ء کے "زمیندار" نے جہاں اپنا ایک طول طویل صفحہ والئے کابل کی قصیدہ خوانی کے صرف گیارہ شعروں میں ختم کیا ہے۔ وہاں اپنا بدنام فکاہی کالم "افکار و حوادث" کابلی اخبار "امان افغان" کی حمایت میں وقف کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی لایعنی سعی کی ہے کہ بالفاظ "امان افغان" چار لاکھ مسلمانوں کو مرتد کرنے والے شردھانند جی کو اخبار مذکور نے "صاحب عزم بزرگ" اور "واجب الاحترام" قرار دینے میں "رواداری وسعت مشرب اور کشادہ دلی کا ثبوت" دیا ہے ٭

کون نہیں جانتا۔ شردھانند جی کی ساری زندگی ایک ایسے دشمن اسلام کی حیثیت میں گذری ہے۔ جو اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے آخری وقت تک سینہ سپر رہا۔ اگر ایسا شخص "امان افغان" اور "زمیندار" کے نزدیک "صاحب عزم بزرگ" اور "واجب الاحترام" ہو سکتا ہے۔ تو یقیناً ان کے نزدیک ابو جہل بھی صاحب عزم بزرگ اور واجب الاحترام ہستی ہوگا ٭

"زمیندار" نے "امان افغان" کی طرف سے اس بناء پر صفائی پیش کی ہے۔ کہ اس نے تو لکھا تھا "شردھانند ہندوؤں کا ایک بہت بڑا رہنما اور صاحب عزم بزرگ تھا" اگرچہ امان افغان کے وہ الفاظ جو خود "زمیندار" نے پہلے پیش کئے تھے۔ اور جو یہ ہیں "شردھانند ایک بہت بڑے رہنما اور صاحب عزم بزرگ تھے" اس تاویل کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے۔ تو کیا "زمیندار" اور "امان افغان" ابوجہل کی ہلاکت پر بھی اس لئے اپنے غم اور افسوس کا اظہار کرینگے۔ کہ "وہ کفار کا ایک بہت بڑا رہنما اور صاحب عزم بزرگ تھا" کیا ہوا اگر ابوجہل کی ہلاکت پر صدیاں گذر گئیں جب بقول "زمیندار" "ایسے لوگ خواہ کسی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ جمہور عقلاء کے نزدیک واجب الاحترام ہوتے ہیں"۔ تو کیوں نہ "زمیندار" اور "امان" اس احترام کا سلسلہ اس انسان سے شروع کریں۔ جس نے سب سے پہلے اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور جس کا عزم و ارادہ شردھانند جی سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ شردھانند جی کو اپنے لئے واجب الاحترام ثابت کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ اور بڑی دیدہ دلیری سے کہا گیا ہے۔ کہ "صاحبان عزم اشخاص کا بلا قید مذہب و ملت جمہور اقوام کے عقلاء کے نزدیک واجب الاحترام ہونا سو یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کی تعلیم خود اسلام پاک نے دی ہے"۔

لیکن کیا "امان" اور "زمیندار" دکھا سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے شردھانند جی ایسے لوگوں کے متعلق جن کی ساری زندگی اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں گذری ہو۔ کہاں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ انہیں "صاحبان عزم" قرار دیکر "واجب الاحترام" سمجھا جائے۔ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی عتبہ۔ شیبہ۔ ابوجہل۔ ابولہب۔ مسیلمہ کذاب وغیرہ دشمنان اسلام کی ہلاکت کے وقت اس تعلیم پر عمل کیا۔ جسے آج "زمیندار" "اسلام پاک کی تعلیم" قرار دے رہا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اسے اس اسلام کی تعلیم قطعاً نہیں کہا جا سکتا۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ ہاں اس اسلام کی تعلیم ضرور کہا جا سکتا ہے۔ جو اس وقت حکومت کابل میں رائج ہے۔ اور جو کابلیوں کو ایک طرف تو خدا اور رسول کے مخلص فدائیوں اسلام کے شیدائیوں۔ اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے والوں کو محض اس لئے سنگسار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کہ وہ کیوں حقیقی اور سچے اسلام کے فدائی کہلاتے اور اسکی خاطر سروں پر کفن باندھے پھرتے ہیں۔ اور دوسری طرف اسلام اور اسلام کے خدا اور اسلام کے رسول کے خلاف گالیوں اور بدزبانیوں کا طومار جمع کرنے والے اور بقول "امان افغان" چار لاکھ مسلمانوں کو مرتد بنانے والے کو "بزرگ" بنا کر واجب الاحترام قرار دینے کی تلقین کرتا ہے۔ ایسے اسلام کے حامی جس قدر بھی شردھانند جی کا احترام کریں۔ کم ہے۔ اور ان کی وفات پر جتنا بھی رنج و افسوس کریں۔ تھوڑا ہے۔ کیونکہ انہیں شردھانند جی سے دُور کی نہیں۔ بلکہ بہت قریب کی نسبت ہے۔ اور وہ یہ کہ جس طرح شردھانند جی اپنے ملک کے مسلمانوں کو مٹانے میں مصروف رہے۔ اسی طرح کابلی بھی اپنے ملک کے حقیقی مسلمانوں کو سنگسار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ گویا تھوڑے سے فرق کے ساتھ غرض دونوں کی ایک ہی ہے۔ کابلی سفاک اپنے ملک میں کسی سچے اور حقیقی مسلمان کو دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ اور شردھانند جی کے آریہ سورمے اپنے ملک میں کسی نام کے مسلمان کو بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اس نسبت سے "امان افغان" شردھانند جی کے متعلق ان الفاظ میں اظہار عقیدت کرنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ

"ایسی محترم شخصیت کی وفات بھی ہمارے دل کو صدمہ پہنچا رہی ہے"

ہم نے پوچھا تھا:۔

"اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ احمدی جن کے رگ رگ میں اسلام کی محبت۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق اور وقار و عظمت اسلام کا جوش بھرا ہوا ہے۔ مرتد ہیں۔ اور پھر یہ بھی مان لیا جائے۔ کہ اسلام جو لا اکراہ فی الدین۔ دینی معاملات میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں۔ کی تلقین کرتا ہے۔ اس میں مرتد کی سزا سنگسار ہی ہے۔ تو بتایا جائے۔ کہ ایک دو کو نہیں سینکڑوں ہزاروں کو نہیں۔ بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنانیوالا حکومت افغانان کے نزدیک بزرگ اور واجب الاحترام کیونکر بن گیا اور کیوں اس کے قتل پر رنج و افسوس ہوا"

اس کے جواب میں کہا گیا ہے:۔

"الفضل" کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حکومت افغانستان نے اپنے ملک میں سوامی شردھانند کو ارتداد پھیلانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور نہ شردھانند نے قادیانیوں کی طرح افغانوں کو شدھ کرنے کی کوشش کی تھی"

مطلب یہ کہ شردھانند جی نے چونکہ کابل میں جا کر کابلیوں کو مرتد نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہی مرتد کرتے رہے اس لئے وہ اہل کابل کے نزدیک بزرگ اور واجب الاحترام ہیں۔ بجا ارشاد ہوا۔ مگر یہ نہ بتایا۔ کہ شردھانند جی کی وفات نے کابلیوں کو صدمہ کیوں پہنچایا۔ کیا اس لئے کہ شردھانند جی ہندی مسلمانوں کو مرتد بنانے کا کام ختم کر کے کابل پہنچنے سے قبل قتل ہو گئے۔ اور اہل کابل کو اپنی محترم شخصیت کی زیارت کا موقعہ نہ مل سکے۔ اس سے تو ظاہر ہے۔ کہ اگر شردھانند جی افغانوں کو شدھ کرنے کے لئے کابل جاتے۔ تو انہیں "ایک بہت بڑے رہنما اور صاحب عزم بزرگ" کی حیثیت سے آنکھوں پر بٹھایا جاتا۔ کیونکہ جب ان کی موت کی خبر کابل میں پہنچنے پر یہ کہا جا رہا ہے کہ "ایسے لوگ خواہ کسی قوم یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

جمہور عقلاء کے نزدیک شدھی واجب الاحترام ہوتے ہیں"
تو ان کے زندہ کابل پہنچنے اور افغانوں کو شدھ کرنے پر تو انہیں اس سے بھی بڑھ کر صاحب عزم بزرگ اور واجب الاحترام شخصیت قرار دیا جاتا۔ اور "زمیندار" حال کی طرح اس وقت بھی بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتا۔ کہ یہ ہے افغانوں کی رواداری۔ وسعت مشرب اور کشادہ دلی کا ثبوت ہے۔ کہ وہ دشمن کو بھی عزم کے اعتبار سے واجب الاحترام خیال کرتے ہیں"

اگر وسعت مشرب اور کشادہ دلی اسی کا نام ہے تو "زمیندار" اور اس کے ممدوح افغانوں کو ہی مبارک ہو۔ بہتر ہو کہ افغان اپنی اس "رواداری" اور "کشادہ دلی" سے مستفیض کرنے کے لئے سوامی شردھانند جی کے کسی فدائی کو اپنے ہاں بلائیں۔ تا وہ کابل میں "شدھی" کا سلسلہ جاری کر کے زمیندار کے نزدیک صاحب عزم بزرگ قرار پائے۔ اور افغان اسے واجب الاحترام تسلیم کر کے "جمہور عقلاء" میں شمولیت اختیار کر سکیں۔

"زمیندار" نے اپنے اس مضمون میں کابل کی حمایت کرتے ہوئے احمدیوں کو مرتد قرار دے کر ان کے لئے سنگساری کی سزا جائز قرار دی ہے۔ حالانکہ یہی "زمیندار" آج سے چند دن قبل مسلمانوں کو آریوں کے حملہ سے بچانے اور ارتداد سے محفوظ رکھنے کی درخواست احمدیوں سے کر چکا ہے۔ عجیب بات ہے کابل میں تو احمدی خود مرتد قرار پائیں۔ اور قابل سنگساری ٹھہریں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کا ذریعہ بنیں۔ اور مرتد گروں کی یورش کے وقت "زمیندار" کو بھی احمدی یاد آئیں۔

جس اخبار کی روش اس درجہ تلون آشنا ہو۔ کوئی عقلمند اس کی تحریروں کو قطعاً قابل اعتنا نہیں قرار دے سکتا۔

"زمیندار" نے اپنی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھا ہے:۔

"ہم "الفضل" کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ اگر اس کے خلیفۃ المسیح کو بھی سوامی شردھانند کی طرح کوئی حادثہ پیش آجائے۔ تو امان افغان اس پر بھی ماتم کا اظہار کر دے گا"

یہ نہایت کمینہ طریق سے قاتل شردھانند جی کے سے لوگوں کو قتل جیسے فعل شنیعہ کی تحریک کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ کئی لاکھ کی جماعت کے مذہبی اور روحانی امام کے متعلق ایسی دل دوز نیش زنی کرنا پرلے درجہ کی بدطینتی ہے۔ لیکن "زمیندار" جس کا خمیر ہی شر انگیزی اور فتنہ پردازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اپنی اس مذموم روش کے باوجود مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کا دعویدار بنتا رہتا ہے۔

کاش! ایسے لوگوں کو شرافت اور انسانیت نصیب ہو۔

تا وہ دوسروں کی دل آزاری میں اپنے لئے سامان مسرت نہ تلاش کریں۔ اور فتنہ انگیزی کو ذریعہ معاش نہ بنائیں بلکہ ملک میں امن قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اور اغیار کی طرف سے اسلام کو جو خطرات پیش ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کھڑے ہوں۔

مصنف "ورتمان" کو سزا

ہندو مسلمانوں میں سر پھٹول کا سب سے بڑا موجب آریہ سماج کا وہ دل آزار اور جگر خراش لٹریچر ہے۔ جو بانی آریہ سماج اور انکی تقلید میں آریہ صاحبان اسلام کے خلاف شائع کرتے رہتے ہیں۔ اور جب سے شدھی کا فتنہ کھڑا ہوا ہے۔ آریوں کی طرف سے ایسے گندے اور ناپاک لٹریچر میں بہت کچھ اضافہ ہو چکا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں پنجاب میں "رنگیلا رسول" اور یوپی میں "ورتمان" سب سے بڑھ کر شر انگیز کتابیں آریوں نے شائع کیں۔ جن کے مصنفوں پر دونوں صوبوں کی گورنمنٹوں کو مقدمات چلانے پڑے۔ "رنگیلا رسول" کے مصنف پر گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے جو مقدمہ چلایا گیا اس نے صرف بیجا طوالت اختیار کی۔ بلکہ آریوں کو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف دل آزار بیانات کو شائع کرنے کے لئے موقعہ مل گیا۔ جس سے عرصہ کے آخر گورنمنٹ نے محسوس کیا۔ اور اس کا سلسلہ رک گیا۔ اب یہ مقدمہ کی طوالت بھی ختم ہو گئی۔ اور مجرم کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ لیکن یو۔ پی کی گورنمنٹ نے ابتدا سے ہی دور اندیشی اور ہوشیاری سے کام لیکر "ورتمان" کے مصنف کا بیجوں پر ایسے رنگ میں مقدمہ چلایا کہ مقدمہ باوجود آریوں کی سر توڑ کوشش کے بے جا طول نہ پکڑ سکا۔ دوران مقدمہ میں ورتمان کو ضبط کر کے اور پھر اس کی ضبطی پر صوبہ کی سب سے بڑی عدالت سے مہر توثیق ثبت کر کے مزید عقلمندی کا ثبوت دیا۔

معلوم ہوا ہے کہ مسٹر نیولی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ آگرہ نے پنڈت کالیچرن مصنف "ورتمان" کے مقدمہ کا فیصلہ صادر کر دیا اور مصنف کو مجرم قرار دیکر ایک سال قید بامشقت اور ایک ہزار جرمانہ یا مزید چھ ماہ کی سزا دی۔

ہر ایک مذہب و ملت کے امن پسند اور شریف انسان تو اس فیصلہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے ہی۔ کاش! آریہ صاحبان بھی لاہور اور آگرہ کے ان تازہ واقعات سے عبرت حاصل کریں اور اپنی تحریروں میں نامہذب اور غیر شریفانہ درشتی کی بجائے متانت اور سنجیدگی پیدا کریں۔

کیسے ہندوؤں سے صلح نہیں ہو سکتی؟

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہندو مسلم اتحاد کے متعلق لاہور میں جو تقریر فرمائی۔ اس کا چند سطور میں بالکل غلط اور ٹوٹا پھوٹا مفہوم شائع کرتے ہوئے اخبار تیج (۲ مارچ) نے اس کا عنوان رکھا ہے "جنگلی درندوں سے صلح ہو سکتی ہے۔ مگر ہندوؤں سے نہیں" حالانکہ اس نے اپنے شائع کردہ قطعاً غیر مکمل اور ادھورے خلاصہ کے جس فقرہ سے یہ عنوان اخذ کیا ہے۔ وہ بھی یوں ہے:۔

"مرزا قادیانی نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جنگلوں کے درندوں سے مسلمان صلح کر سکتے ہیں۔ مگر ایک ایسے ہمسایہ سے جو پیغمبر اسلام کی بے عزتی کرتا ہو۔ ہرگز صلح نہیں ہو سکتی"

صاف ظاہر ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہتک کرنیوالے ہندوؤں سے جنگلی درندوں کے مقابلہ میں صلح کرنا ناممکن بتایا گیا ہے نہ کہ سب ہندوؤں سے۔ دیکھا تیج "جنگلی درندوں کے مقابلہ میں سب ہندوؤں کو رکھ کر یہ بتانا چاہتا ہے۔ کہ وہ سب کے سب بانی اسلام کی شان میں بیہودہ سرائی کرنے سے باز نہیں آئینگے۔ اگر اس کا یہی مطلب ہے۔ تو پھر یہ بھی بالکل ٹھیک ہے۔ کہ جنگلی درندوں سے صلح ہو سکتی ہے۔ مگر ہندوؤں سے نہیں"

قرآن کریم میں کہیں جبر کا ذکر نہیں

عجیب بات ہے۔ آریوں کو قرآن کریم میں تشدد ہی تشدد کی تعلیم نظر آتی ہے۔ لیکن غیر مذاہب کے وہ لوگ جنہوں نے تعصب اور ضد کے جذبات سے خالی ہو کر قرآن کریم کا مطالعہ کیا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات پڑھے۔ انہیں صاف طور پر اقرار کرنا پڑا۔ کہ قرآن کریم میں کہیں کسی کی دل آزاری کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس قسم کی بیسیوں شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن تازہ شہادت گاندھی جی کی ہے۔ جنہوں نے گلبرگہ (حیدرآباد دکن) میں ۲۲ر فروری کو ہندو مسلمانوں کے بہت بڑے مجمع میں تقریر کرتے کہا:۔

"میں نے قرآن شریف کئی بار پڑھا ہے۔ اور حضرت محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے حالات زندگی کا مطالعہ بھی کیا ہے لیکن میں نے ان میں کہیں بھی یہ بات نہیں دیکھی کہ دوسروں کی مذہبی دل آزاری کی جائے یا مورتیوں وغیرہ کو توڑ دیا جائے" (ملاپ ۲۷ر فروری)

اگر آریہ صاحبان گاندھی جی کو قابل اعتبار انسان سمجھتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ قرآن کریم کے متعلق گاندھی جی کی اس رائے سے فائدہ اٹھائیں اور اسلام پر تشدد اور جبر کا جھوٹا الزام لگانا چھوڑیں۔

اس موقعہ پر ہم گاندھی جی سے بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ کاش انہوں نے قرآن کریم اس انسان سے پڑھا ہوتا۔ جسے خدا نے قرآن کریم کی خوبیاں ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا۔ اور اب اس انسان سے پڑھیں۔ جو خدا تعالیٰ کے فرستادہ کا قائم مقام اور وہ قرآن کریم کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ کی تقریر بریڈلا ہال لاہور میں

ہندو مسلم فسادات۔ ان کا علاج اور مسلمانوں کا آئندہ طریق عمل

(بقیہ)

۲ مارچ بریڈلا ہال لاہور میں ۳ بجے حضور کی جو تقریر زیر صدارت جناب سر میاں محمد شفیع صاحب کے۔سی۔ایس آئی ہوئی۔ اس سے قبل صدر موصوف نے فرمایا:۔

صدر کے ریمارک

حضرات! ہمارے محترم مرزا صاحب نے آج کی اپنی تقریر کے لئے ایک ایسا عنوان تجویز کیا ہے۔ جس کے ساتھ قدرتاً موجودہ حالات میں ہر بہی خواہ ملک کو دلچسپی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بعض لیڈری کے مشتاق ملک کے کونہ کونہ میں پھر کر ہندو مسلم تعلقات کو خراب کر رہے ہیں۔ اور شہر بہ شہر پھر کر فرقہ وارانہ تنازع اور کشیدگیاں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ پبلک پلیٹ فارم سے مذہبی تعصبات کو جوش دلا رہے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ ملک میں جو نزاعات پیدا ہیں۔ ان کو روکا جائے انہیں بڑھا رہے ہیں۔ اسی طرح بعض اخباروں والے اپنی اخبارات کی اشاعت بڑھانے کے لئے ملک کی ترقی کو روک رہے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ فسادات کو فرو کریں۔ انہیں بڑھا رہے ہیں۔ اس وجہ سے فرقہ وارانہ نفرت پھیل رہی ہے جس کا نتیجہ گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں یا اس سے زیادہ عرصہ میں آپ صاحبان کلکتہ۔ کوہاٹ۔ سہارن پور۔ الہ آباد اور دیگر مقامات پر دیکھ اور سن چکے ہیں۔ مگر اب وقت آیا ہے۔ کہ ملک کے سچے بہی خواہ اور قوم کے سچے درد خواہ جنہیں احساس ہے کہ مادر ہند کے ہندو اور مسلمان دونوں فرزند دلبند ہیں۔ اور ان دونوں کے اتفاق سے ہندوستان کی ترقی ہے وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ فسادات نہ کریں۔

میں سمجھتا ہوں وقت آگیا ہے۔ کہ ایسے خیر خواہ اور ہمدرد لوگ اپنی آواز بلند کریں اور بتائیں کہ ہندوستان میں جو لوگ قوموں کو لڑا رہے ہیں وہ ملک کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت ہندوستان میں اس قسم کی مشکلات ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب آج آپ کو ان سب کا صحیح حل بتائیں گے۔ جس سے امید ہے کہ ملک کے حالات درست ہو جائیں گے۔ اور یہ مشکلیں نہ رہیں گی اسی وجہ سے آج میں نے نہایت خوشی سے مرزا صاحب کی تقریر کے وقت صدارت کو قبول کیا ہے۔ اب میں بڑی خوشی کے ساتھ مرزا صاحب سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

تقریر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

تلاوت سورۃ فاتحہ کے بعد فرمایا:۔

جیسا کہ آپ صاحبان کو معلوم ہے۔ آج میں آپ لوگوں کے سامنے اس لئے کھڑا ہوا ہوں۔ کہ ہندو مسلم فسادات کے بواعث ان کا علاج اور مسلمانوں کے لئے آئندہ طریق عمل بیان کروں میرے نزدیک ہر وہ شخص جو خواہ کسی مذہب کے ساتھ تعلق رکھتا ہو خواہ کسی ملت میں منسلک ہو۔ خواہ کسی عقیدہ اور کسی خیال کا ہو۔ جسے کچھ بھی ہمدردی اپنے ملک سے ہوگی بلکہ میں کہتا ہوں جس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی ملک کی خیر خواہی کا احساس ہوگا بلکہ میں کہتا ہوں جس کے اندر ایک ذرہ بھر بھی دردمندی کا مادہ ہوگا وہ ان فسادات کے سبب ایک تکلیف دہ احساس محسوس کئے بغیر نہیں رہیگا۔

ہندو مسلم اتفاق کا حشر

ابھی چند سال کی بات ہے کہ پلیٹ فارموں سے یہ آواز بلند کی جاتی تھی کہ ہم بھائی بھائی ہیں۔ ہم ایک وطن کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے تعلقات کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ ملک کے خیر خواہ انسانوں کے لئے یہ آواز کیسی بھلی تھی۔ اور اس سے کیسی لذت اور سرور آ[تا] تھا مگر یہ آواز آواز ہی تھی اور ایک عارضی وقت کے لئے تھی کیونکہ چند دن یہ اتفاق اور صلح رہی اور پھر فتنہ و فساد پیدا ہو گیا۔ اس وقت ملک میں یا تو جا بجا اس قسم کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور اس قسم کے مضامین لکھے جا رہے تھے کہ ہم ایک ہیں اور ہم جدا نہیں ہو سکتے یا وہ جو کہتے تھے ہم بھائی بھائی ہیں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کو وطن سے نکالنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ اس لئے ہؤا۔ کہ ان کا اتفاق اور صلح صحیح بنیادوں پر نہیں تھی۔

ترقی کیلئے امن کی ضرورت

میرے نزدیک اس وقت تک کوئی مذہب ترقی نہیں کرسکتا کوئی تمدن ترقی نہیں کرسکتا۔ کوئی سیاست ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ امن نہ ہو۔ جس طرح کھیت بغیر پانی کے ہرا نہیں ہوسکتا اسی طرح ترقی بغیر امن کے نہیں ہوسکتی۔ امن ترقی کے لئے اس پانی کی طرح ہے جس سے کھیت ہرا بھرا ہوتا ہے۔ غرض ترقی خواہ مذہب کی ہو خواہ ملک کی۔ خواہ سیاست کی ہو۔ خواہ تمدن کی امن کے بغیر نہیں ہوسکتی اور بغیر امن کے کوئی ترقی نہیں کرسکتا۔ چونکہ امن ترقی کا اصل ذریعہ ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ہم دیکھتے ہیں۔ جتنے متمدن ممالک ہیں وہ فسادات کے مٹانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور نہ صرف عام لوگ اپنے اپنے طور پر یہ کام کر رہے ہیں۔ بلکہ وہاں کی پارلیمنٹیں اور وہاں کے ذمہ وار حکام بھی رات دن اسی کام پر لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہ کسی طرح فسادات مٹائیں اور ترقی کریں۔ ان ملکوں میں وہاں کے لوگوں میں اس قسم کی تقریریں کی جاتی ہیں۔ جن سے امن کی خوبیاں ان کے ذہن نشین ہوں اور لوگوں کو فسادات سے بچایا جاتا ہے۔

ہندوستان کی بدبختی

مگر ایک یہی بدبخت ملک ہندوستان ہے جس میں بجائے ایسی تقریریں کرنے کے جن سے امن قائم ہو اور لوگ امن کے سایہ تلے ترقی کرتے چلے جائیں اس قسم کی تقریریں کی جاتی ہیں کہ فسادات بڑھیں۔ قومی اور فرقہ وارانہ نفرتیں زیادہ ہوں اور ملک کا امن جاتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ باوجود ایک [عظیم الشان] ملک ہونے کے ہندوستان ترقی کرنے سے رکا ہؤا ہے۔ کیونکہ جب کسی ملک کے باشندے ایک دوسرے کے برخلاف اپنی طاقتیں خرچ کرینگے تو ضرور ہے کہ ترقی کرنے سے رکے رہیں۔ ہمارے ملک میں اگر تمدن کو کسی مطلب کا سمجھا جاتا ہے تو نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ۔ اگر سیاست کو کسی کام کا خیال کیا جاتا ہے تو فتنہ و فساد کرنے کا آلہ۔ اگر سوسائٹیوں کو کسی مصرف کا سمجھا جاتا ہے تو فساد اور بدامنی کا ہتھیار۔ غرض کیا تمدن۔ کیا سیاست۔ کیا سوسائٹی اور کیا مذہب سب کے سب فساد کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ اس وجہ سے ہماری حالت سخت خراب ہے۔ ہم دوسروں کی نظروں سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ اور اپنی نظروں میں بھی گرے ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم اپنی حالتوں پر جیسا کہ چاہیئے غور نہیں کرتے۔ اگر ہم غور کریں تو صاف نظر آجائے۔ کہ ہم سخت گرے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بہت جلد شورشوں کا شکار بن جاتے ہیں۔

غلط کوششیں

ملک میں جو کچھ عرصہ سے فسادات ہو رہے ہیں ان کے دور کرنے کے لئے جو کوششیں اس وقت تک کی گئیں اور جس رنگ میں سعی کو کام میں لایا گیا۔ جہانتک میں نے غور کیا ہے۔ یہی معلوم ہؤا ہے کہ وہ صحیح نہیں۔ وہ کوششیں غلط راستوں پر بے جاتی ہیں۔ جن پر چلنے سے فسادات بڑھا کرتے ہیں۔ مٹا نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی علاج بغیر تشخیص کے نہیں ہوتا اور صحیح علاج کے لئے صحیح تشخیص کی ضرورت ہؤا کرتی ہے جہاں صحیح تشخیص نہیں ہوتی وہاں صحیح علاج بھی نہیں ہوتا۔ جب ہم ان کوششوں پر نگاہ ڈالتے ہیں جو اس ملک سے فتنہ و فساد مٹانے کے لئے کی گئیں تو کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحیح تشخیص پر مبنی نہیں تھیں۔ چونکہ فسادات کی اصل وجہ ہی کی تشخیص نہیں کی گئی تھی اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ جو کوششیں فسادات کے مٹانے اور صلح کے پیدا کرنے کے لئے کی گئیں وہ کامیاب ہوتیں۔ سو ایسا ہی ہوا۔ سال دو سال کے لئے بظاہر امن کی صورت اور صلح کا رنگ پیدا ہو گیا۔

مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ ایسی کوششیں صحیح اور درست طریق پر نہ تھیں۔ اور ان کی کیفیت ایسی ہی تھی۔ جیسی مرض کی تشخیص کئے بغیر اس کے علاج کرنے کی سعی کی جائے۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کچھ عرصہ عارضی خاموشی رہی۔ مگر پھر فسادات بڑھ گئے۔ اور وہ بات جو صلح کی شکل میں نظر آ رہی تھی درمیان میں نہ رہی۔ اور باوجود تین چار سال تک وقت۔ طاقت۔ اثر اور روپیہ استعمال کرنے کے بھی نہ رہی۔

صلح کے دو ناکام طریق

اس وقت تک صلح کے لئے جو دو طریق استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ بالکل نادرست تھے۔ ان میں سے پہلا طریق تو یہ تھا۔ کہ ہمارے ملک کے سیاسی لیڈر جمع ہو جاتے اور کہدیتے آؤ صلح کر لیں۔ جب ان کا آپس میں سمجھوتہ ہو جاتا تو اعلان شائع کر دیتے کہ صلح ہو گئی ہے۔ حالانکہ لیڈروں کے درمیان تو لڑائی پہلے ہی نہ تھی اور نہ ہی لیڈروں کے درمیان لڑائی ہوا کرتی ہے۔ لڑنے تو عوام ہوتے ہیں۔ جو سیاسی لیڈروں کے ایسے اعلانات کے باوجود کہ صلح ہو گئی ہے پھر بھی لڑتے رہے۔ کیونکہ لڑائی محمد علی و شوکت علی صاحبان گاندھی جی اور پنڈت مالویہ کے درمیان نہ تھی۔ لڑائی تو عوام کے درمیان تھی۔ اور یہ ناممکن ہے۔ کہ لڑیں تو عوام اور صلح کریں لیڈر۔ جس کے نتائج وہ پیدا ہوں جو دو فی الواقع لڑنے والے فریقوں کے درمیان صلح ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو چونکہ لیڈروں میں لڑائی نہ تھی اس لئے ان کی صلح کا عوام پر کچھ اثر نہ ہوا [illegible] یہ سمجھ لیا گیا کہ صلح ہو گئی۔ لیڈر اگر صحیح اقرار بھی کریں کہ لوگ آئندہ نہیں لڑینگے۔ تو بھی فساد نہیں رُک سکتے۔ کیونکہ لڑنے والوں میں جب تک صلح نہ کرائیں اس وقت تک فساد نہیں رُک سکتے۔

دوسرا طریق یہ تھا۔ کہ کچھ پبلک کو بلا کر کہدیا جاتا۔ کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ تمہیں لڑنا نہیں چاہیئے۔ اس پر بعض جگہ اعلان تو ہو گیا کہ ہندو مسلمان نہیں لڑینگے۔ لیکن نتیجہ اس کا بھی کچھ نہ نکلا۔ کیونکہ محض اعلانوں سے کبھی صلح نہیں ہو سکتی جب تک لڑائی کے اسباب کو دُور نہ کیا جائے۔ سوال یہ ہے۔ کہ لوگ بلاوجہ لڑا کرتے تھے یا ان کی لڑائی کی کوئی وجہ ہوتی تھی۔ اور کیا ایسے اعلان لڑائی کی اصل وجہ دریافت کر کے کئے جاتے تھے یا یونہی۔ واقعات بتائیں گے کہ لوگ بلاوجہ نہیں لڑا کرتے اور لیڈروں کے اعلان بغیر اس لڑائی کی وجہ معلوم کئے ہوتے تھے جس طرح ہر انسان میں غصہ کا مادہ ہوتا ہے۔ مگر کسی باہوش انسان کو بلاوجہ کسی پر غصہ نہیں آتا اور نہ بلاوجہ کسی سے لڑتا ہے۔ کسی وجہ سے ہی اسے غصہ آتا ہے اسی طرح قومیں بھی بلاوجہ نہیں لڑا کرتیں اور قوموں کی لڑائیاں بھی کسی وجہ سے ہی ہوا کرتی ہیں۔ جب ہر لڑائی کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور لڑائی بند تبھی ہو سکتی ہے۔ جب اس کی وجہ مٹ جائے۔ تو ہندو مسلمانوں کی لڑائی کے متعلق کیسے امید کی جا سکتی تھی کہ صرف لیڈروں کے منہ سے کہدینے سے بند ہو جائے گی۔ حالانکہ نہ اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ اور نہ اس وجہ کو دُور کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ جوش میں انسان ہر قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے جب ہندو مسلمانوں میں صلح کا جوش تھا۔ اس وقت اس جوش سے شائد اگر دائمی نہیں تو ایک لمبے عرصہ کے لئے صلح ہو جاتی بشرطیکہ لیڈر پبلک کے اس جوش سے پورا اور صحیح رنگ میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ لیکن انہوں نے فسادات کی وجہ تو دریافت نہ کی۔ جس کے دُور کرنے سے فساد دُور ہو سکتے تھے اور جو کچھ کیا وہ یہ تھا۔ کہ کچھ لوگوں کو بلا کر کہدیا۔ صلح کر لو۔ لڑو نہیں۔ اور لوگوں نے بھی جلسوں کے موقعوں پر کہدیا۔ ہم نہیں لڑینگے۔ اور تماشے کے طور پر عوام الناس نے کہنا شروع کر دیا۔ آج سے ہم بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں آپس میں ایک دوسرے کو گلے لگا لینا چاہیئے۔ آج سے ہماری صلح ہو گئی۔

لڑائی کی وجہ معلوم کئے بغیر صلح کا نتیجہ

اسی بریڈلا ہال میں آج سے چار پانچ سال پہلے میں نے ایک تقریر کی تھی۔ اس میں بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کے متعلق اظہار خیالات کیا تھا۔ میرے نزدیک اس صلح کی مثال ایسی تھی۔ جیسے دو زمیندار جو آپس میں بھائی ہوں اور جن میں جائداد تقسیم کر دی گئی ہو۔ وہ کھیت کے کسی منڈیر کے لئے لڑ پڑیں۔ ایک کہے یہ حصہ میرا ہے دوسرا کہے میرا۔ اس موقعہ پر ان کا باپ اگر انہیں کہے خبردار مت لڑو نقصان اٹھاؤ گے۔ تو کوئی تعجب نہیں کہ ان میں سے کوئی باپ کی نصیحت سن کر رو پڑے۔ اور باپ کا دل بھی اسے دیکھ کر پگھل جائے اور ان کے جھگڑے کی وجہ دریافت نہ کرے اور نہ ان کے جھگڑے کا کوئی فیصلہ کرے۔ بلکہ یونہی انہیں صلح کی تلقین کرے۔ ایسی صلح سے ہر ایک دل میں سے چونکہ یہ خیال کرے گا صلح میرے حق میں ہوئی ہے۔ اس لئے وہ یہی سمجھیگا۔ کہ اب مجھے وہ حصہ زمین لے لینا چاہیئے۔ کیونکہ باپ نے دوسرے بھائی کو سمجھا دیا اور وہ راضی ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرا بھی یہی خیال کریگا۔ اپنی اپنی جگہ یہ خیال کر کے جب وہ لڑائی بند کر چکے ہوں۔ اور پھر ان میں سے کوئی متنازعہ فیہ حصہ زمین میں ہل چلائیگا۔ تو دوسرا لٹھ لے کر کھڑا ہو جائے گا۔ اور کہے گا عجیب احمق ہے کہ ابھی باپ نے سمجھایا اور اس کے سامنے فیصلہ کر کے آیا ہے اور ابھی اس کے خلاف کر رہا ہے اس طرح پہلے سے بھی زیادہ زور سے لڑائی شروع ہو جائیگی ایسی صلح درحقیقت نئے فساد کی وجہ بن جاتی ہے۔ اور اس سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ان مجالس میں جو لیڈروں کی طرف سے قائم کی جاتی ہیں۔ یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے مطالبات کیا ہیں۔ جھگڑا کن باتوں پر ہے۔ اور ان کے متعلق صفائی کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جب لوگ جلسوں کو چھوڑ کر گھروں میں گئے تو ہندوؤں کے جو مطالبے مسلمانوں سے تھے۔ ان کے متعلق ہندوؤں نے سمجھ لیا اب وہ پورے ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے جو مطالبات ہندوؤں سے تھے ان کے متعلق مسلمانوں نے سمجھ لیا۔ چونکہ لیڈروں نے اب صلح کرا دی ہے۔ اس لئے وہ پورے ہو جائیں گے۔ جب مجالس میں بیٹھ کر کہا گیا کہ صلح ہو گئی تو ہندو مسلمانوں نے سمجھ لیا تھا۔ کہ چونکہ لیڈر کہتے ہیں کہ صلح ہو گئی۔ اس لئے اب پھر کبھی لڑائی نہ ہو گی۔ حالانکہ لڑائی لیڈروں میں نہ تھی۔ لڑائی عوام میں تھی۔ اور لیڈروں کے کہنے پر عوام بھی کہنے لگے تھے۔ کہ صلح ہو گئی۔ اور انہیں یہ خیال بھی اسی وقت نہ آتا تھا۔ کہ یہ صلح ٹوٹ جائیگی۔ اور پھر آپس میں لٹھ چل جائے گا۔ مگر بہت جلد وہ صلح صلح نہ رہی اور بہت جلد ہندو مسلمانوں کے درمیان لٹھ چل گیا۔

ہندو مسلمان دھوکہ کھا گئے

کیونکہ حقیقت یہ تھی۔ کہ لیڈروں کے صلح کے اعلانات سے پبلک اس دھوکہ میں آ گئی کہ صلح ہو گئی۔ حالانکہ یہ کوئی صلح نہ تھی۔ بلکہ یہ تو ایک قسم کی لڑائی تھی۔ اس طرح جب بھی کیا جائیگا اس سے پہلے کی نسبت زیادہ فساد ہو گا۔ کیونکہ یوں اپنے حق کے لئے لڑنے والوں کو اگر کسی وقت سمجھایا جائے۔ تو کچھ نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جہاں یہ سمجھ لیا گیا ہو کہ ہمیں صلح کے پردہ میں دھوکہ دیا گیا۔ وہاں لڑائی کا کم ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ہندو مسلمانوں میں بھی یہی ہوا۔ اگر ہندو اور مسلمانوں نے یہ نہ سمجھ لیا ہوتا۔ کہ ہم ایک دوسرے کی طرف سے دھوکہ دیئے گئے ہیں۔ تو ان کی آپس میں لڑائی نہ ہوتی اور اگر ہوتی تو سمجھانے سے کمزور ہو جاتی۔ مگر یہاں دونوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کو دھوکہ دیا نہیں گیا تھا۔ بلکہ ان کے نفسوں نے دھوکہ کھایا تھا کہ جو بات صلح نہ تھی اسے صلح سمجھ لیا تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا۔ کہ ہندوؤں نے باوجود صلح کے ان باتوں کو نہیں چھوڑا۔ جن سے مسلمانوں کو رنج پہنچتا تھا تو انہیں غصہ آیا کہ ابھی صلح کا فیصلہ ہوا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی کچھ پروا نہیں کی۔ اور ابھی تک بدستور وہی کام کر رہے ہیں جن سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ ادھر ہندوؤں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے وہی باتیں کرنی شروع کر دیں جن سے انہیں ناراضگی تھی تو انہیں بھی غصہ آیا۔ مطلب یہ کہ دونوں نے سمجھا ہمیں دھوکہ دیا گیا ہے اور یہ دونو فریق ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جس کے نتیجہ میں ملک کا امن برباد ہو گیا۔ اس وقت میں چاہتا ہوں کہ اس کے متعلق میں اپنے خیالات آپ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دوں کہ اس نزاع کے اصل بواعث کیا ہیں۔ اور ان حالات میں جبکہ نزاع پیدا ہو چکی ہے اور ملک کا امن خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ جو باتیں میں بیان کرونگا۔

اگر انہیں غور سے سنا جائیگا ۔ اور ان کے مطابق عمل کیا جائے گا تو بہت جلد امن قائم ہو جائیگا ۔

وجوہ فساد

یہاں فرقہ وارانہ فسادات اور نزاعات کے بواعث تفصیلی طور پر تو اس قلیل وقت میں بیان نہیں کرسکتا ۔ مختصر طور پر جو کچھ کہہ سکتا ہوں وہ کہوں گا ۔ میرے نزدیک موجودہ فسادات کے بواعث ہی ہیں جو میں بیان کروں گا ۔ اس لئے جس طرح سبب نہیں رہتا تو مسبب بھی نہیں رہتا ۔ اسی طرح اگر یہ بواعث نہ رہیں ۔ تو فسادات بھی نہ رہیں گے ۔

سیاسی رواداری اور مساوات کا عدم

سب سے پہلا باعث جو ان فسادات کا ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں سیاسی رواداری اور مساوات کا خیال مفقود ہے ۔ سیاسی رواداری کی تو ہم لوگوں نے قیمت ہی نہیں سمجھی اور مساوات کے اصول کی اہمیت سے بے خبر ہیں ۔ اس لئے بجائے اس کے کہ رواداری کا چرچا عام ہو ۔ ہر ایک یہی خیال کرتا ہے کہ جس چیز پر اس کا قبضہ ہوگیا ۔ وہ اسی کے لئے ہے اور اسی کے فائدہ کے لئے ہے ۔ دوسروں کے فائدہ کے لئے نہیں ۔ یہ رواداری کے جذبہ کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے ۔ کہ ہر ایک آدمی ایسا خیال کرتا ہے ۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا ۔ کہ رواداری کا جذبہ لیاقت اور علم سے پیدا ہوسکتا ہے ۔ لیکن وہ قوم کیا لیاقت حاصل کرسکتی ہے ۔ جس کیلئے تعلیمی راستہ ہی کھلا نہ ہو ۔ میں اس بات کو ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ایک قوم کے لئے یہ بہت ضروری ہے ۔ کہ اس کے افراد لیاقت پیدا کریں ۔ اس سے سرکاری ملازمتوں کے سوال کو بھی حل کیا جاسکتا ہے ۔ غرض رواداری کے جذبہ کے مفقود ہونے کے باوجود لوگوں نے سمجھ لیا کہ امن ہوسکتا ہے ۔ حالانکہ درست بات یہ ہے ۔ کہ اس کے بغیر ہرگز امن نہیں ہوسکتا ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ۔ کہ اگر رستہ صاف ہو تو لوگ اپنے اپنے رستہ پر جاسکتے ہیں ۔ لیکن اگر رستہ رکا ہوا ہو ۔ اور روکنے والے اس پر کھڑے ہوں تو پھر مشکل پیش آتی ہے ۔ لوگ چونکہ باوجود راستہ رکے ہونے کے اس پر چلنے کی کوشش کرتے رہے ۔ اس لئے تکلیف میں پڑے اور نقصان اٹھایا پس جس طرح ہر قوم کے لئے یہ ضروری ہے ۔ کہ اس کے فرد لیاقت پیدا کریں ۔ جس طرح ہر قوم کے لئے یہ ضروری ہے ۔ کہ اس کے افراد اس رستہ پر چلیں جو کھلا ہو ۔ اور اس رستہ پر نہ چلیں ۔ جو بند ہو ۔ اسی طرح ہر قوم کے لئے یہ بھی ضروری ہے ۔ کہ اگر وہ زیادہ ترقی یافتہ ہے ۔ تو کم ترقی یافتہ قوموں کو ترقی حاصل کرنے کے مواقع دے ۔ کیونکہ جب تک ایسے مواقع نہ دیئے جائیں گے ۔ پس ماندہ قومیں ترقی نہیں کرسکتیں ۔

جمہوریت کے نہ ہونے کے نقصان

اسی طرح سیاسی رواداری کا جذبہ جو ملک سے مفقود ہے ۔ تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے ۔ کہ اس ملک میں جمہوریت کبھی قائم نہیں ہوئی ۔ ہندو راجے بھی یہاں ہوئے اور مسلمان بادشاہ بھی یہاں گذرے ۔ مگر سب کی حکومت قومی ہوا کرتی تھی ۔ یعنی کیا ہندو اور کیا مسلمان دونوں کی حکومتیں رہی ہیں ۔ مگر وہ بادشاہوں کی حکومتیں تھیں ۔ ہندوؤں میں سے عام طور پر راجپوت حکومت کرتے رہے ہیں ۔ اس وقت گویا راجپوتوں کی قومی حکومت تھی ۔ ان کے سوا جو قومیں ہندوؤں کی تھیں ۔ ان کے لئے ترقی کے کوئی سامان راجپوت قوم کی طرف سے نہ کئے جاتے تھے ۔ اسی طرح مسلمانوں کی اگر حکومت اس ملک میں قائم ہوئی تو اسے ایک لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ مغلوں کی تھی یا پٹھانوں کی تھی ۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہوئے جو مغل بادشاہ تھے یا پٹھان نہ کہ کسی اور قوم کے بادشاہ تھے ۔ اس وجہ سے باوجود سینکڑوں سالی حکومت کرنے کے ہر قوم کا ہر بادشاہ یہ سمجھتا تھا ۔ کہ مجھے اپنا اقتدار قائم رکھنے کیلئے تلوار اور جتھے کی ضرورت ہے ۔ اور جب ایک بادشاہ کو اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے تلوار اور جتھے کی ضرورت ہو ۔ لازمی طور پر یہ بات پیدا ہو جاتی ہے ۔ کہ وہ اس کے لئے اپنی قوم کے لوگوں کی طرف دیکھے ۔ اور انہیں ہر قسم کی رعایات دے ۔ اور دوسرے لوگوں کو ان فوائد سے محروم رکھا جائے ۔ ہندوستان میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے ۔ کیونکہ ہر بادشاہ یا ہر راجہ یہ محسوس کرتا تھا ۔ کہ اگر اپنے جتھے کی رعایت نہ کی جائیگی ۔ اور اگر اسے خاص حقوق نہ دیئے جائینگے ۔ تو وہ اس کی مدد نہ کریگا ۔ اور اگر اپنی قوم یا جتھے کو خاص حقوق سے محروم کر دیا گیا ۔ تو لڑائی کے موقعہ پر جتھہ مدد نہ کریگا ۔ اور حکومت قائم نہ رہیگی ۔ ایسا جتھہ ان کی اپنی قوم ہی کا ہوتا تھا ۔ جو سمجھتا تھا ۔ کہ ہم ہی بادشاہ ہیں ۔ کیونکہ جب ہماری قوم کا ایک شخص بادشاہ ہے تو گویا ہماری قوم ہی بادشاہ ہے ۔ اور ان کا یہ خیال درست بھی ہوتا تھا کیونکہ وہ ان حقوق اور رعایتوں سے جو ہر بادشاہ ان کو محض اپنا جتھہ قائم رکھنے کے لئے دیتا سمجھتے کہ شاید مراعات اسی لئے ہیں کہ ہم بادشاہ قوم ہیں ۔ غرض اس ملک کے بادشاہوں اور راجوں کو اپنا جتھہ قائم کرنے کے لئے یہ طریق اختیار کرنا پڑتا ۔ اور اس جتھہ کے فوائد کے لئے دوسرے گروہوں اور فرقوں اور جماعتوں کے فوائد کو نظر انداز کر دیا جاتا ۔ اور صرف انہیں لوگوں کو خاص حقوق ملتے جو ان کی اپنی قوم کے ہوتے ۔ اور جو ان کی مدد کرتے ۔ تو جو بادشاہ ہوتا تھا وہ اپنی ہی قوم کا جتھہ بناتا ۔ اور وہ ان کو اور اپنے طرفداروں کو بالمقابل دوسرے لوگوں کے زیادہ حقوق دیتا ۔ اور اپنی قوم کی پاسداری کرتا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ان کے بغیر میری حکومت نہ ہوگی ۔ اسے یقین ہوتا تھا کہ جب تک اپنی قوم کو طاقتور نہ بنایا جائیگا ۔ حکومت کا قائم رہنا مشکل ہے ۔ اس سے ان کے دلوں میں راسخ ہو جاتا کہ اپنی قوم کی پاسداری اس لئے ضروری ہے ۔ کہ غیروں سے مقابلہ کے وقت مدد پر کھڑی ہوسکے اور اقتدار قائم رہے ۔ یہ وہ ورثہ ہے ۔ جو اپنے باپ دادوں سے اس ملک کے باشندوں کو ملا ہے ۔ اور بلاشبہ یہ بُرا ورثہ ہے ۔ جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی اس وقت تک جس قوم کے ہاتھ میں کوئی اختیار ہوگا ۔ وہ دوسروں کو مٹا دیگی ۔ کیونکہ اس کے افراد باپ دادوں کی طرف سے یہی دیکھتے چلے آئے ہیں ۔ کہ ہر ایک قوم کا فرد اپنی ہی قوم کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور دوسروں کی پروا نہیں کرتا ۔ اور جب کوئی قوم اس اختیار کے مل جانے پر دوسری قوموں کو مٹانے کی کوشش کریگی لازماً فساد بڑھیگا ۔ اور جب فساد بڑھیگا تو امن اٹھ جائیگا ۔ اور امن کے اٹھ جانے کی صورت میں ترقی کی کوئی امید نہیں ہوسکتی ۔ اس کے لئے ضروری ہے ۔ کہ اس طریقہ کی اصلاح کی جائے ۔ کیونکہ جب تک اس طریقہ میں اصلاح نہ ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کی مدد کرنا نہ سیکھینگے ۔ نہ صرف یہ کہ اپنوں میں سے ایک دوسرے کی مدد نہ کرینگے ۔ بلکہ غیروں اور دوسری قوموں کے آدمیوں کی مدد نہ کرینگے ۔ اور ان میں مساوات کا مادہ موجود نہ ہوگا ۔ اور سیاسی رواداری کا جذبہ پیدا نہ ہوگا ترقی نہیں کرسکیں گے ۔

مذہبی رواداری کا فقدان

دوسری وجہ جو ان فسادات کی ہے اور جس کا اثر بھی بہت بڑا ہے وہ مذہبی رواداری کا فقدان ہے ۔ جس طرح اس ملک میں سیاسی رواداری نہیں اسی طرح مذہبی رواداری بھی نہیں ۔ لوگ برداشت ہی نہیں کرسکتے ۔ کہ کسی دوسرے مذہب کو اچھا کہہ سکیں ۔ بلکہ الٹا یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ جب تک ایک مذہب دوسرے مذہب کی برائی نہ کرے اس وقت تک اس کی برتری ثابت نہیں ہوسکتی ۔ ہم اس بات کے عادی ہوگئے ہیں ۔ کہ دوسروں میں کیڑے نکالیں ۔ ان کو جھوٹا کہیں ۔ جاہل کہتے پھریں کہ فلاں مذہب بہت بُرا ہے ۔ اس میں تعفن پیدا ہوگیا ہے ۔ اور اس حد تک تعفن پیدا ہوگیا ہے کہ پاس جاتے ہوئے دماغ پھٹ جاتا ہے ۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے ۔ کہ پچھلا زمانہ انحطاط کا زمانہ گذرا ہے ۔ اس میں ہر قسم کی قابلیت گم ہو رہی تھی ۔ اس وقت لوگوں میں بلند ہمتی نہ رہی تھی ۔ اس لئے بجائے اس کے کہ دوسرے مذہب کی بھی خوبیاں بیان کی جاتیں ۔ لوگوں نے یہ طریق اختیار کر لیا کہ اپنا اثر ڈالنے کے لئے دوسرے مذہبوں کو بُرا کہنے لگ گئے ۔ مذہب کی خوبیوں سے واقف ہونے کے لئے ۔ عبادت ۔ خدا کی محبت اور وقت کی قربانی کی ضرورت تھی ۔ لیکن ہمارے ملک میں نہ عبادت رہی ۔ نہ خدا کی محبت ۔ نہ مذہب کے لئے وقت کی قربانی کی عادت ۔ اس لئے ان کی جگہ یہ بات پیدا ہوگئی ۔ کہ دوسرے مذاہب کو بُرا بھلا کہنے لگ گئے ۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ بلند ہمتی نہ رہی تھی ۔ دوسرے مذاہب کو بُرا کہہ دینے اور ان کے نقائص بیان کر دینے سے ہی لوگ یہ سمجھتے تھے ۔ کہ ہم نے بڑا کام کر لیا ۔

ضرورت اصلاح

یہ دو وجہیں ہیں ملک کے فسادات کی جنہیں سیاسی اور مذہبی عدم رواداری کہا جاتا ہے اور یہ اس ملک کے لوگوں نے خود پیدا کی ہیں ۔ ورنہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ رواداری کے جذبہ سے محروم نہیں کئے گئے ۔ پچھلی تاریخوں کے اثرات سے یہ بات پیدا ہوئی ۔ کہ نہ سیاسی رواداری باقی ہے اور نہ مذہبی رواداری ۔

اور جب تک یہ نقص دور نہ کیا جائیگا۔ اور ملک میں عدم رواداری کا جو مادہ پیدا ہو گیا ہے اسے خارج نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکیگی۔ اس غرض کے لئے جو اس نقص کے دور کرتے ہیں لگے۔ ہر قوم کو شرائط طے کر لینی چاہئیں تا کسی کو ان کے برخلاف کرنے کا موقعہ نہ ملے ؂

عدم رواداری کے دو خطرناک نتیجے

میں نے دیکھا ہے۔ عدم رواداری سے دو خطرناک نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ فرض کر لیا جاتا ہے۔ کہ دشمن کوئی اچھی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ رواداری کے فقدان کی وجہ سے ہندو فرض کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں نے برا کیا اور مسلمان فرض کر لیتے ہیں۔ ہندوؤں نے برا کیا۔ خواہ اچھی بات ہی ہو۔ پھر بھی اسے برا ہی کہتے اور برا ہی سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسرے کی بات کو اچھا کہنے میں ہماری ہتک ہے۔ پس گو دوسرے مذہب کا آدمی اچھی بات ہی کر رہا ہو۔ لیکن رواداری کے نہ ہونے کے سبب اسے برا ہی سمجھا جائے گا ؂

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر شخص جو کچھ کہتا ہے۔ بدنیتی سے کہتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کوئی بات کہے۔ اور دوسرے کو وہ ناپسند ہو۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے۔ کہ چونکہ اسے ناپسند ہے۔ اس لئے کہنے والے نے بدنیتی سے کہی ہے گو یہاں نیتوں پر بھی حملہ کیا جاتا ہے اور جب کسی کی نیت پر حملہ کیا جاتا ہے۔ تو لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دوسرے کو غصہ آ جائے۔ اور اس غصہ سے وہ یہ خیال کرنے لگ جائے کہ یہ مجھے اس لئے ذلیل کرنا چاہتا ہے کہ خود ترقی کرے۔ یہ سمجھنے کی وجہ یہی ہے۔ کہ اس ملک میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کہ اپنی ترقی دوسرے کو ذلیل کرنے سے ہوا کرتی ہے ؂

اسلامی سیاسی رواداری

میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم اس کے متعلق کیا ہے سیاسی رواداری ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے متعلق اتنی سی بات بیان کر دینا ہی کافی ہو گا۔ کہ اسلامی ملکوں میں اسلامی حکومتوں کے ماتحت لوگ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر قائم رہے۔ اور کسی خاص حکومت یا کسی خاص اسلامی ملک یا کسی خاص زمانہ تک کے لئے نہیں۔ جس میں یہ کیا گیا کہ غیر قوم کے آدمیوں کو اچھے اچھے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ بلکہ ہر اسلامی حکومت میں ایسا کیا جاتا تھا اور ہر اسلامی ملک میں اس رواداری کو استعمال میں لایا جاتا رہا۔ جہاں جہاں اسلامی حکومت ہوتی۔ وہاں لائق اور قابل آدمیوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا گیا اور اس کے لئے یہ نہ دیکھا گیا کہ فلاں آدمی اپنی قوم کا فرد ہے یا غیر قوم کا۔ چنانچہ انجنیئر۔ اطباء۔ کمانڈر۔ حتیٰ کہ وزارت تک کے عہدے ان لوگوں کو دئے گئے۔ جو یہودی تھے یا عیسائی۔ یا کسی اور قوم کے فرد۔ یہی حال ہندوستان میں بھی رہا۔ اور بادشاہوں نے ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا۔ بلکہ بعض حالتوں میں غیر مذاہب کے لوگ مسلمانوں سے بھی ترقی کر جاتے تھے۔ کیونکہ جو بڑے بڑے مسلمان بادشاہ گذرے ہیں۔ وہ جانتے تھے۔ کہ انہیں مذہبی طور پر بھی حکم ہے کہ کسی کا حق نہ ماریں۔ خواہ وہ شخص اپنی قوم کا ہو یا غیر قوم کا۔ چونکہ مسلمانوں کو مذہبی طور پر اس قسم کی رواداری اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے وہ اس سے احتراز نہیں کرتے تھے ؂

مذہبی رواداری

میں نے فسادات کی اصل وجہ بیان کرتے وقت ایک وجہ مذہبی رواداری کا فقدان بتائی ہے۔ کہ جس طرح سیاسی رواداری کا مادہ نہیں رہا۔ اسی طرح مذہبی رواداری کا جذبہ بھی مفقود ہو گیا ہے۔ سیاسی رواداری کے متعلق اسلام کی جو تعلیم تھی۔ اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ مسلمان حکومتوں میں یہودی۔ عیسائی۔ ہندو اور دوسری اقوام کے لوگ اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے گئے۔ اور مطلقاً اس بات کا خیال نہ کیا گیا۔ کہ وہ حکمرانوں کی اپنی قوم کے نہیں۔ اسی طرح اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ مذہبی رواداری کے متعلق اسلام کی کیا تعلیم ہے۔ اور اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کہاں تک اسے پورا کرنے کے لئے مجبور ہے۔ سو مذہبی رواداری کی اسلام میں اس قدر مضبوط بنیاد موجود ہے۔ جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی۔ دوسرے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک دوسرے کو جھوٹا ثابت نہ کر لیا جائے۔ اپنی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام کی یہ تعلیم نہیں۔ اسلام جہاں اپنی خوبیوں کو پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اپنی خوبیاں پیش کی جایا کریں۔ وہاں نہ یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ ہر قوم جو زمین پر قائم ہوئی۔ اس میں کوئی نہ کوئی خدا کا نبی آیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ ہر ایک قوم میں نذیر آیا۔ اب دیکھو۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں۔ دوسرے مذاہب میں یہ ہرگز نہیں آیا۔ کہ ان کے سوا کسی اور قوم میں بھی نبی آئے۔ لیکن یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ جو بتاتی ہے کہ تمام قوموں میں نبی آتے رہے ہیں۔ اب اس تعلیم کے ماتحت مسلمان اس بات کے پابند ہیں۔ کہ ہر قوم میں نبی مانیں اور جب وہ ہر قوم میں نبی مانیں گے۔ تو پھر کیا کسی قوم کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ تمہارا نبی جھوٹا تھا۔ اگر کوئی ایسا کہے۔ تو وہ اس نبی کو ہی جھوٹا نہیں کہے گا بلکہ قرآن شریف کی اس آیت کو بھی جھٹلائے گا۔ دیکھو ایک عیسائی اطمینان کے ساتھ گندے سے گندے الفاظ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان گھر میں بھی اور باہر بھی "مسیح" کو "حضرت عیسیٰ علیہ السلام" کر کے پکارے گا کہ حضرت عیسیٰؑ پر سلامتی ہو۔ اور برکتیں نازل ہوں۔ عیسائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن ہم حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں۔ یہی حال ہندوؤں اور دوسرے مذاہب والوں کے متعلق ہے۔ کہ وہ تو ہمارے انبیاء کو گالیاں دیتے اور برے الفاظ بولتے ہیں۔ مگر ایک مسلمان سب کی عزت کرتا اور سب کے لئے عزت اور ادب کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ جب قرآن کریم کہتا ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر تو ہر مسلمان کو ماننا پڑے گا۔ کہ ہندوؤں میں بھی نبی گذرے۔ کیونکہ ہندو بھی دنیا میں ایک قوم ہے۔ اور جب یہ ماننا پڑے گا تو کیونکر اس شخص سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ہندوؤں کے بزرگوں کو گالیاں نکالے ؂

مہاراج کرشن و رام چندر جی بھی نبی تھے

میں تو مانتا ہوں۔ کہ کرشن اور رام چندر جی نبی تھے۔ ممکن ہے دوسرے مسلمان میرے ساتھ متفق نہ ہوں۔ لیکن وہ بھی برا نہیں کہہ سکتے۔ وہ اگر اچھا نہیں کہہ سکتے تو برا بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سب قرآن کو ماننے والے ہیں۔ اگر مسلمان مسلمان ہیں اور اگر قرآن شریف کی تعلیم ان کے لئے حجت ہے تو وہ ہرگز ہرگز اس آیت کے ماتحت جو میں نے پڑھی ہے۔ کسی قوم کے نبی کو برا نہیں کہہ سکتے قرآن شریف میں جو یہ کہا گیا ہے۔ کہ ہر قوم میں نبی آئے۔ اس میں یہ بھی مصلحت ہے۔ کہ مسلمانوں کو بتایا جائے۔ وہ کسی قوم کے نبی کو برا نہ کہیں۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں۔ ہندو اس کے مقابلہ پر ایسی کوئی تعلیم نہیں پیش کر سکتے۔ جس میں انہیں اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ مذہبی رواداری کا سبق دیا گیا ہو۔ اور جس سے وہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنا سیکھیں۔ مگر میں کرشن اور رام چندر جی کی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ قرآن کی تعلیم کے مطابق نبی تھے ؂

تمام ملکوں میں نبی

پھر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی نہیں بتایا کہ تمام قوموں میں نبی آئے۔ بلکہ یہ بھی بتایا ہے۔ ان من قریۃ الا خلا فیھا نذیر کہ تمام ملکوں میں بھی نبی آئے۔ قوموں کے ساتھ مذہبی رنگ میں جو رواداری کرنے کا سبق سکھایا گیا ہے۔ وہی رواداری ملکوں کے متعلق سکھائی گئی ہے۔ پس میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر اس آیت کے مطابق ہندوستان میں کوئی نبی آیا۔ تو چین میں بھی ضرور آیا ہو گا۔ جیسا کہ وہاں کنفیوشس نبی ہو کر آئے۔ کیونکہ جب قرآن کہتا ہے۔ ہر ملک میں نبی آئے۔ تو مجھے ماننا پڑے گا کہ ضرور آئے۔ اس صورت میں کسی ایسے شخص کے متعلق جسے کسی قوم یا کسی ملک کے لوگ نبی کہتے ہوں۔ کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ وہ جھوٹا تھا۔ فرض کر لیا جائے۔ اگر میں اسے اچھا نہیں کہہ سکتا۔ تو کم از کم یہ جرأت بھی مجھ میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ کہ میں اسے برا کہوں۔ کیونکہ تعجب نہیں۔ جسے میں برا کہوں۔

اور جھوٹا ٹھہراؤں۔ وہ فی الواقع خدا کی طرف سے ہو۔ پس ایک مسلمان جب قرآن شریف کی اس تعلیم کو دیکھیگا تو پھر وہ کسی قوم یا کسی ملک کے نبی کو بھی برا نہیں کہہ سکتا۔ ہندو قوم میں کوئی نبی آیا۔ یا عیسائی اور یہودی قوم میں آیا۔ اس تعلیم کے ماتحت ایک مسلمان کسی کو برا نہیں کہہ سکتا۔ یہی حال ہر ملک کے نبی کا ہے۔ اسے بھی برا نہیں کہہ سکتا۔ خواہ کوئی نبی فرانس میں آیا ہو۔ خواہ جاپان میں۔ خواہ جرمنی میں۔ خواہ روس میں خواہ ایران میں۔ خواہ افریقہ میں خواہ امریکہ میں۔ غرض کوئی جگہ ہو اسے اگر اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ تو برا بھی نہیں کہہ سکتا۔ پس میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں عقیدتاً کسی ایسے شخص کو جسے اس کی قوم یا اس کا ملک نبی بتاتا ہے۔ برا نہیں کہہ سکتا۔ اور اس کی ہتک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے۔ وہ نبی ہو۔ اور میں اس کی ہتک کروں تو خدا تعالےٰ کے سامنے مجھے جواب دہ ہونا پڑے۔ پس میں ہتک کر ہی نہیں سکتا۔ اور کر ہی نہیں سکتا تو دور کی بات ہے ہتک کا امکان ہی نہیں۔ کیونکہ خدا کا نور جس قوم میں چاہے چمکتا ہے اس لئے میں ان میں سے ہر ایک کا احترام کرتا ہوں۔ قرآن شریف کی تعلیم ہی میرے لئے ایسی ہے۔ اور میں اس تعلیم کے لحاظ سے یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس کی وجہ سے میرے لئے کسی دوسرے مذہب والوں کی ہتک کرنے کا دروازہ ہی بند ہو گیا ہے۔ پس یہ ہے وہ مذہبی رواداری جسے اسلام نے قائم کیا اور جس کی اس نے تعلیم دی ہے ؛

کسی کے مذہبی بزرگ کو برا نہ کہو

ان نتائج سے جو بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ہر ایک کو یہ بات سمجھ آ جائے۔ اور ہندو اس بات پر عمل کرنا شروع کر دیں کہ کسی کے مذہبی بزرگ کو برا نہ کہیں۔ تو مذہبی رواداری پیدا ہو سکتی ہے اتنا تو سوچیں۔ اگر وہ دوسروں کے بزرگوں کی ہتک کریں تو ان کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کا دل دکھا کر اپنا مطلب پورا کیا جائے ہر موقعہ پر دوسری قوموں کے ساتھ رواداری کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیئے۔

ہندو مسلم سوال

میں چاہتا ہوں کہ ملک سے ہندو مسلم سوال مٹ جائے۔ اور وہ اس طرح مٹ سکتا ہے کہ ہندو بھی اسی قسم کی رواداری جائز قرار دے لیں جیسی کہ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ میں نے جو یہ کہا ہے میں چاہتا ہوں۔ کہ ملک سے ہندو مسلم سوال اٹھ جائے۔ اس سے میرا یہ مطلب ہے۔ کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔ ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر ہندو یا مسلمان یہ بالکل بے ہودہ بات ہے کیونکہ اس سے مذہب اڑ جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے مذہب کا سچا پیرو ہے تو وہ وطن کا بھی سچا خیر خواہ ہوگا۔ پس اگر ہم اسلام کو خدا کا سچا مذہب سمجھتے ہیں۔ تو یہ کہہ ہی نہیں سکتے۔ کہ "ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر مسلمان"۔ کیونکہ اس سے ملک مقدم ہو جاتا ہے اور مذہب پیچھے پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ کہ مذہب مقدم رہے اور ملک پیچھے۔ کیونکہ اگر ہم مذہب کو مقدم نہ رکھیں گے۔ تو ملک کا بھی کچھ نہیں بنا سکیں گے۔ اور اگر مذہب کو ملک پر مقدم رکھیں گے۔ تو ملک کے لئے بھی مفید ہو سکتے ہیں۔ پس میں یہ کہتا ہوں کہ میں پہلے بھی مسلمان ہوں۔ پھر بھی مسلمان اور پھر بھی مسلمان۔ کیونکہ اگر میں مسلمان ہوں تو میں ہندوستانی بھی ہوں یعنی وطن کا بھی خیر خواہ ہوں۔ اگر ذرا بھی اس پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ایمان اور مذہب سے ہی حب الوطنی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیا بھی ہے۔ حب الوطن من الایمان۔ لیکن اگر مذہب چھوڑ کر حب الوطنی اختیار کی جائے یا حب الوطنی کو مذہب پر مقدم کر لیا جائے تو نہ مذہب رہتا ہے۔ اور نہ حب الوطنی۔ کیونکہ حب الوطنی سے مذہب نہیں پیدا ہوا کرتا۔ بلکہ مذہب سے حب الوطنی پیدا ہوا کرتی ہے پس جب میرا مذہب مجھے یہ سکھاتا ہے۔ کہ مذہب کو حب الوطنی پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ میں پہلے بھی مسلمان۔ پھر بھی مسلمان اور پھر بھی مسلمان۔ اور میرے مسلمان ہونے میں ہی ہندوستانیت ہے۔ گویا میں پہلے مسلمان ہوں۔ اور پھر ہندوستانی۔ نہ کہ پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان۔ پس میں نے جو یہ کہا ہے۔ کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے مذہب اور پھر وطن کو رکھا جائے۔ اور ساتھ ہی ہر ہندو کو یہ بھی چاہیئے کہ وہ خیال رکھے۔ چونکہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں انہیں ساتھ لینا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی یہ سمجھیں۔ کہ ہندو بھی ہمارے بھائی ہیں۔ اور اسی ملک کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ ملکر رہنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف مذہبی رواداری بھی ہونی چاہیئے۔ ایک دوسرے کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔ اور آپس میں محبت کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ لیکن میں افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتا ہوں۔ بجائے اس کے کہ یہ باتیں اختیار کی جائیں۔ ان کے برخلاف کوشش کی جا رہی ہے۔ اور ملک میں یہ ہو رہا ہے۔ کہ ایک دوسرے کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس جو دو بڑی قومیں ہندوستان میں بستی ہیں۔ اگر ان باتوں کو اختیار کر لیں۔ تو ان کی زندگی آرام سے گذر سکتی ہے۔ اور اگر وہ ان کے خلاف کوشش کرینگی۔ جیسا کہ کر رہی ہیں تو امن کی زندگی تو کجا وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس ملک میں جو ہندو مسلم سوال ہے۔ وہ سوال مٹ جائے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے، ہندو اگر مسلمانوں کا خیال رکھیں اور انہیں اپنا سمجھیں اور مسلمان اگر ہندوؤں کا خیال رکھیں۔ اور انہیں اپنا سمجھیں۔ تو یہ سوال مٹ سکتا ہے۔ اور امن اور ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے اس وقت تک یہ ہو رہا ہے کہ اگرچہ مسلمان پہلے ہی سرکاری دفاتر میں بہت کم ہیں۔ مگر پھر بھی ہندوؤں کی کوشش ہوتی ہے کہ انہیں دفاتر سے نکالدیا جائے۔ اور جو حقوق انہیں حاصل ہیں۔ ان سے بھی انہیں محروم کر دیا جائے اسی طرح بعض وقت مسلمانوں کا حال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور ہندوؤں کو مسلمانوں کی نسبت زیادہ خیال ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسلمان کمزور حالت میں ہیں

منافرت پھیلائی جا رہی ہے

میں چونکہ انصاف کہنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ اس لئے میں صاف کہتا ہوں کہ مسلمان اس لئے ہندوؤں کا ساتھ نہیں دیتے کہ وہ جانتے ہیں ہندو طاقتور ہیں وہ ہمیں نقصان پہنچائیں گے۔ اور ہمارے معاملہ میں انصاف سے کام نہ لینگے اور ہندو مسلمانوں سے اس لئے رواداری نہیں برتتے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ انہیں ہندوستان سے نکالدینا چاہیئے۔ اگر ہندوؤں کی طرف سے رواداری کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا جائے تو وہ آسانی کے ساتھ ہندوؤں سے مل سکتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا اور میں دیکھتا ہوں ایک تو مذہبی رواداری کا جذبہ مفقود ہے اور دوسرے مذہبی منافرت پھیلائی جا رہی ہے۔ زبانی طور پر اس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں۔ اور ایسی کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں۔ جنمیں انبیاء کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور مسلمانوں کے بزرگوں کی توہین کی جاتی ہے۔ اس قسم کے تمام کام حقارت اور نفرت کے جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والے ہیں۔ جن سے قومیں آرام سے نہیں رہ سکتیں اور ان کی زندگیاں امن سے نہیں گذر سکتیں ؛

(باقی)

جبیبہ ہال میں حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر

زمیندار کا نامہ نگار ۹ مارچ کے زمیندار میں لکھتا ہے:۔ "چونکہ مرزا صاحب ایک فرقہ کے مذہبی پیشوا ہیں۔ اور جلسہ مسلمانوں کی محبوب شخصیت علامہ اقبال کی زیر صدارت ہوا۔ اس لئے حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مرزا صاحب موصوف نے اپنے موضوع پر تقریر کی اور اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مذہب اور سائنس کے درمیان کوئی تصادم نہیں۔ چونکہ موضوع بہت خشک تھا اور مرزا صاحب کا انداز بیان بھی چنداں دلکش نہ تھا۔ اس لئے دوران تقریر میں کئی اصحاب اٹھ کر چلے گئے" اسکے متعلق بجائے اس کے کہ میں اپنی طرف سے کچھ عرض کروں۔ پریذیڈنٹ جلسہ (سر اقبال) کی اس تقریر کا کچھ حصہ جو انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کی تقریر کے بعد کی۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا اندازہ کر سکیں کہ زمیندار کے نامہ نگار نے کہاں تک دیانت سے کام لیا ہے۔

پریذیڈنٹ صاحب نے فرمایا:۔ "ایسی پُر از معلومات تقریر بہت عرصہ کے بعد لاہور میں سننے میں آئی ہے۔ اور خاصکر جو قرآن شریف کی آیات سے مرزا صاحب نے استنباط کیا ہے وہ تو نہایت عمدہ ہے۔ ...... میں اپنی تقریر کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکتا۔ تا مجھے اس تقریر سے جو لذت حاصل ہو رہی ہے وہ زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں"۔

اب زمیندار خود فیصلہ کرے کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ درست ہے یا دیدہ ہوم؟

بچوں کے والدین توجہ فرمائیں

مدارس کے سالانہ امتحان شروع ہونے والے ہیں۔ شروع اپریل میں جماعت بندیاں ہو کر باقاعدہ پڑھائی شروع ہو جاتی ہے عام طور پر تمام طالب علم ان ہی دنوں میں جس سکول میں داخل ہونا چاہتے ہیں ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ دوران سال میں ایک سکول سے دوسرے سکول میں جانے کی وجہ سے پڑھائی کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ اور جب تک ایک سکول میں اور ایک جماعت میں طالب علم لگاتار ایک سال تک نہ رہے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسلئے ضروری ہے کہ قادیان تعلیم الاسلام ہائی سکول میں آنے والے طلباء شروع سال میں یعنی اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں باقاعدہ آکر شامل ہو جائیں۔ ہمارا سکول اللہ تعالےٰ کے فضل سے دنیاوی قابلیتوں کے لحاظ سے بھی پنجاب کے دوسرے سکولوں سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کے اسٹاف میں تین ایسے اساتذہ کام کر رہے ہیں۔ جو علاوہ یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ ہونے کے کئی کئی سال یورپ اور دیگر ممالک مغربیہ میں رہ چکے ہیں۔ اور وہاں کے تعلیمی حالات سے آگاہی پا چکے ہیں۔ اور پھر یہاں کے لحاظ سے ٹرینڈ بھی ہیں اور تجربہ کار بھی ہیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو دوسرے سکولوں میں ملنی دشوار ہے۔ ان کے علاوہ دوسرا اسٹاف بھی خدا کے فضل سے دوسرے سکولوں کے دوش بدوش رہا ہے۔ مگر سب سے بڑھکر جو فائدہ ہے وہ یہ ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ بنفس نفیس خود ہفتہ میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت خاص طور پر طلباء کی روحانی اخلاقی تمدنی اور ذہنی بہتری کیلئے دیتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دن حضور نے نماز عصر سے لیکر نماز مغرب تک کا سارا وقت اسی کام کیلئے وقف کیا ہے۔ یہ تربیت علاوہ دینیات قرآن شریف اور سکول کی دینی و اخلاقی تعلیم کے ہے۔ باقی نیک اور دیندار اور پاک بزرگوں کی صحبت یہ ایسی چیزیں ہیں جو ہر کسی کو میسر نہیں آسکتیں۔ والدین کو چاہیئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے بچوں کو ہائی سکول کی تعلیم کے لئے ضرور بھیجیں۔ تاکہ علاوہ دنیاوی تعلیم کے وہ دینی تعلیم سے اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے روحانی انفاس اور کلمات طیبات سے بھی مستفید ہو سکیں۔ بے شک بچوں کی جدائی والدین کو شاق ہوتی ہے۔ لیکن اس میں والدین اور بچوں دونوں کا بھلا ہے۔ اگر اس وقت بچے احمدیت اور سچے اسلام کی تعلیم سے بہرہ اندوز نہ ہوئے تو پھر ان کے لئے ایسا اور دوسرا وقت بمشکل میسر آئیگا۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض گھرانوں سے اور مخلص گھرانوں سے احمدیت کے فرزند غیروں کے اثر کے نیچے آرہے ہیں۔ اور والدین کو تب احساس ہوتا ہے جب بچے بڑے ہو کر ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ قادیان میں بچے کو بھیجنا گویا ایک تازہ پودا احمدیت کا لگا دینا ہے۔ اور تجربہ سے دیکھا گیا ہے۔ کہ جو بچے قادیان سے تعلیم پا کر نکل چکے ہیں۔ وہ علاوہ دنیوی قابلیتوں کے جو کسی صورت میں بھی دوسروں سے کم نہیں۔ دینی پہلو سے بھی اپنے اندر خاص غیرت اور تڑپ رکھتے ہیں۔ اور ان کو تبلیغ کا بھی بہت شوق ہوتا ہے۔ تو کیا والدین کا فرض نہیں۔ کہ اپنے بچوں کو یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا کے ماتحت قادیان بھجوائیں۔ باقی رہا اخراجات کا سوال۔ تو وہ بھی دوستوں کے راستہ میں حائل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ لوگ ہر حال خرچ کرتے ہی ہیں قادیان بھیجکر وہ ساتھ ہی ثواب میں بھی شامل ہو جائیں گے۔ اور حضرت مسیح موعود کے ارشاد کی تعمیل کر کے ایک بڑے اجر کے مستحق ٹھیریں گے۔ خرچ تو ان کا ضرور ہوگا۔ جہاں کہیں بھی وہ اپنی اولاد کو تعلیم دلائیں گے۔ اگر قادیان کے فوائد کی خاطر کچھ زیادتی ہو بھی جائے۔ تو یہ معمولی زیادتی ان کے رستہ میں روک نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ یاد رہے۔ کہ ہر بچے کے داخلہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھ آخری جماعت کا سرٹیفکیٹ اس سکول سے لیتا آئے جس میں وہ پڑھتا رہا ہے۔ اس وقت سکول کے سینئر سٹاف میں ماسٹر محمد دین صاحب بی۔ اے منیجر چوہدری عبد الصمد صاحب بی۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر۔ چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ ایس۔ اے۔ وی۔ ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ سید محمود اللہ شاہ صاحب بی۔ اے (جو ولایت میں بھی رہ چکے ہیں) شیخ عبد الرحیم صاحب کام کر رہے ہیں۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی شروع سال میں واپس مدرسہ میں آجائیں گے۔ اس لحاظ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سکول کا اسٹاف عام طور پر گورنمنٹ سکولوں سے بھی گویا بڑھا ہوا ہے

بورڈنگ ہوس سکول کے ساتھ ایک وسیع اور عالیشان بورڈنگ ہوس ہے۔ جہاں بورڈروں کی رہائش و اخلاقی نگرانی کا انتظام ہے۔ ہر کمرے میں ٹیوٹر اور پھر ٹیوٹروں کے علاوہ چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے۔ ایس۔ اے۔ وی سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ اور شیخ عبد الرحیم صاحب نائب سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ یہ ہر دو بزرگ بہت تجربہ کار آدمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو بورڈنگ ہوس میں دوبارہ لگایا گیا ہے تاکہ بورڈنگ ہوس کی حالت پہلے سے بھی اچھی ہو جائے۔ کھانے کا انتظام جس قسم کا والدین پسند کریں۔ وہ یہاں ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ والدین اس کے مطابق خرچ کرنے پر طیار ہوں۔ باقی اخراجات یہاں قریباً وہی ہیں۔ جو عام طور پر اچھے پیمانے کے سکولوں اور بورڈنگ ہوسوں میں ہونے چاہیئیں۔

پس والدین جلد سے جلد اپنے بچوں کو یہاں بھیجدیں۔ تاکہ حضرت مسیح موعودؑ کا جو منشاء ہے وہ پورا ہو۔ یعنی احمدی بچے زمانے کے زہریلے مواد سے بھی بچ جائیں اور تعلیمی طور پر بھی دوسروں کے ہمدوش رہ سکیں۔ میں اس موقعہ پر یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بہتری کے متعلق کوئی تجویز اپنے ذہن میں رکھتے ہوں۔ تو وہ مجھے اطلاع دیں۔ تاکہ میں اس پر غور کر سکوں اگر وہ مناسب ہو۔ تو اس پر عمل کر سکوں۔

خاکسار مرزا بشیر احمد۔ ناظر تعلیم و تربیت۔ قادیان

(اشتہارات کی صحت کے ذمہ دار خود مشتہر ہیں نہ کہ الفضل (ایڈیٹر))

ہندوستان کی خبریں

—— یوپی میں ۹ گاؤں کے جوگیوں کے ۹ خاندان زادہ ملکے شدھ ہونے کو تیار ہیں۔ ان کی رسم ورواج ہندوانہ ہیں۔ ان کے ہندو نام ہیں۔ اور پہلے وہ ٹھاکر تھے۔ جب یہ اٹھارہ گاؤں شدھ ہو جائیں گے۔ تو باقی کے پندرہ گاؤں بھی خود اگ شدھ ہو جائیں گے۔ (تیج)

—— نئی دہلی ۸ مارچ۔ آج ساڑھے بارہ بجے اسمبلی کے جلسہ میں مسٹر شیام نرائن سنگھ گورنمنٹ وہپ یکایک اپنی میز پر ڈھیلے ہو گئے۔ صدر نے ۱۰ منٹ کے لئے جلسہ ملتوی کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو مرگی کا عارضہ ہے۔

—— نئی دہلی ۸ مارچ۔ کرنسی بل کا فیصلہ ہو گیا۔ اسمبلی نے کثرت رائے سے ۱۸ پنس شلنگ تناسب کی ترمیم مسترد کر دی۔ اس طرح گورنمنٹ کو فتح ہوئی۔

—— نئی دہلی ۸ مارچ۔ پراونشل ہندو سبھا دہلی نے آج اپنا ایک جلسہ منعقد کر کے ہندو مہاسبھا کے آئندہ اجلاس کی صدارت کے لئے جو بزمانہ تعطیل ایسٹر پٹنہ میں منعقد ہوگا۔ ڈاکٹر مونجے کا نام تجویز کیا۔

—— دہلی ۹ مارچ۔ باوجود سرکاری مخالفت کے کونسل آف سٹیٹ نے سر فیروز شاہ مہتہ کی قرارداد ۲۵ اور ۱۸ آراء کے تناسب سے منظور کر دی۔ اس قرارداد میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ جمعیۃ الاقوام کی اسمبلی کے آئندہ اجلاس اور بعد کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کی غرض سے جو ہندوستانی وفد روانہ کیا جائے۔ اس کا رئیس ہندوستانی ہونا چاہیئے۔

—— عبد الرشید کے متعلق سشن کورٹ میں وکلاء کی بحث ختم ہو چکی ہے۔ سشن جج نے فیصلہ ۱۲ مارچ تک محفوظ رکھنا ضروری سمجھا ہے۔ لیکن جیوری نے کثرت رائے سے عبد الرشید کو مجرم قرار دیدیا۔ ایک ممبر نے عبد الرشید کو معصوم ٹھیرایا۔

—— راولپنڈی ۶ مارچ۔ اطلاع ملی ہے۔ کہ لنڈی کوتل اور لنڈی خانہ کے درمیان ایک سرنگ میں کچھ کام ہونا باقی تھا۔ اس لئے لائن عارضی طور پر بند کی گئی ہے۔ اور تا اطلاع ثانی گاڑی کی نقل و حرکت بھی معرض التوا میں ڈالی گئی ہے۔

—— دہلی ۷ مارچ۔ مسٹر رؤف علی بیرسٹر شردھانند جی کے مقدمہ قتل میں صفائی کی جانب سے پیروکار تھے۔ ۵ مارچ کی شب کو انتقال کر گئے۔ آپ نے ۵ مارچ کو عدالت میں مقدمہ کی پیروی کی تھی۔

کلکتہ ۴ مارچ۔ سٹیٹسمین کو معلوم ہوا ہے۔ کہ مسٹر حسن شہید سہروردی ڈپٹی میئر کلکتہ کارپوریشن نے استعفاء دیدیا ہے۔ آئندہ جلسہ میں یہ معاملہ پیش ہوگا۔

—— معلوم ہوا ہے۔ کہ منڈی کے کارخانہ بجلی کے لئے ۵ میل کے قریب لمبی سرنگ کھودی جائے گی۔ جس کے ذریعے اوول کھنڈ کا پانی بجلی گھر میں پہنچایا جائے گا۔

—— اسسٹنٹ کمشنروں۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنروں اور ماتحت جج صاحبان کے امتحان ششماہی کے لئے ۸ اپریل سے لیکر ۱۲ اپریل ۱۹۲۷ء تک کی تاریخیں مقرر ہوئی ہیں۔

—— چند یوم ہوئے کہ ملتان کی پولیس نے دو اشخاص مسمی سوہا و کیسرا کا چالان بعدالت مجسٹریٹ درجہ اول کیا ہے۔ جن کو پولیس بہاول نگر سے گرفتار کر لائی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے پاس ایک من چاندی اور ۳۰ سیر سونا برآمد ہوا ہے۔ مقدمہ زیر سماعت ہے۔

—— لاہور ۵ مارچ۔ پنجاب کونسل میں سوال کیا گیا۔ کہ کیا آنریبل فنانس ممبر براہ کرم یہ بتائیں گے۔ کہ پنجاب کے جیلخانوں میں قیدیوں کے لئے ورنیکلر زبانوں کے کون کون سے رسالے یا اخبارات مہیا کئے جاتے ہیں۔ آنریبل سر جیوفری ڈی مونٹمورنسی نے جواب دیا۔ کسی قسم کے اخبارات کو پنجاب کے کسی جیلخانہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔

—— کلکتہ ۳ مارچ۔ پوناکھالی کے حادثہ کے متعلق گورنمنٹ بنگال کو جو اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ایک ہزار مسلمان بھالوں اور لاٹھیوں سے مسلح ہو کر مسجد کے قریب جمع ہوئے۔ اور ہندو جلوس کو روکنے کے لئے تشدد آمیز تیاری شروع کر دی۔ مجسٹریٹ کے حکم سے فوج نے مسلمانوں کو منتشر کر دیا۔ بارہ مسلمان قتل اور زخمی ہوئے۔ ہندو اور پولیس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مسلمانوں کی درخواست پر مسٹر فضل حق اس کی تحقیقات کرنے کے لئے پوناکھالی جا رہے ہیں۔ جن مولوی صاحب نے مسلمانوں کو مجسٹریٹ کی نافرمانی پر اکسایا تھا۔ وہ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ پوناکھالی میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا گیا۔ باریسال کی ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ آج مسلمانوں نے پندرہ مقتولین کی لاشیں ایک خاموش جلوس کے ساتھ نکالیں۔

—— سر عبد الرحیم نے کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ جو کچھ پوناکھالی میں ہوا ہے۔ وہ قتل عام ہے۔ اور تمام معاملہ غیر حق بجانب ہے۔ یا تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہوش و حواس کھو دیئے تھے۔ یا اسے انسانی زندگی کی بہت کم پروا تھی۔

—— لنڈن ۴ مارچ۔ جن لوگوں کو ٹکٹوں کے جمع کرنے کا شوق ہے۔ انہیں اس خبر سے متعجب ہونا چاہیئے۔ کہ لنڈن میں حال ہی میں آسٹریلیا کا ایک پینی (یکآنہ) کا ٹکٹ ۸۰ پونڈ میں فروخت ہوا ہے۔ اس ٹکٹ پر پرنس کی جو تصویر تھی وہ الٹ گئی تھی۔ دنیا میں اس قسم کے صرف دس ٹکٹ موجود ہیں ان میں سے ایک چار سال ہوئے سو پونڈ میں فروخت ہوا تھا۔ ایک ٹکٹ ملک معظم جارج پنجم کے پاس بھی ہے۔

ممالک غیر کی خبریں

—— کیپ ٹاؤن ۵ مارچ۔ لوئس واقع جزیرہ ماریشس سے اطلاع آئی ہے۔ کہ جزیرہ مڈغاسکر میں اس قدر تیز و تند طوفان آیا۔ کہ اس کی وجہ سے بمقام تاماتاوہ ۵۰۰ آدمی مر گئے۔ طوفان کا زور جزیرہ کے مشرقی ساحل پر زیادہ پڑا۔ جس کی وجہ سے تاماتاوہ تباہ و برباد ہو گیا۔ دو جہاز آپس میں ٹکرا کر خشکی پر چڑھ گئے۔ بہت سے جہاز جو بندرگاہ میں لنگر انداز تھے۔ وہ ضائع ہو گئے۔

—— لنڈن ۷ مارچ۔ جس وقت ان لوگوں کے تابوت اٹھائے گئے جو کوئلہ کی کان میں ہلاک ہوئے تھے۔ اس وقت سوگواروں کا ہجوم اس قدر زبردست تھا۔ کہ تین میل تک قطار در قطار آدمی چل رہا تھا۔ تقریباً ایک لاکھ آدمی شریک ہوگا۔

—— ٹوکیو ۷ مارچ۔ آج شام کو مقامات ناگویا۔ کیوٹو۔ اوساکا اور کوبے میں تین منٹ تک سخت زلزلہ آیا۔ بعض مقامات میں زلزلہ اس قدر سخت تھا۔ جیسا ۱۹۲۵ء میں آیا تھا۔ خصوصاً اوساکا اور صوبہ تانگو میں زلزلہ سخت تھا۔ قصبہ ایوانا کی بالکل برباد ہو گیا۔ مقام میاٹزو کے قریب بہت سے گاؤں جل رہے ہیں۔ صوبہ تانگو میں اتلاف جان کی میزان ایک ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ طیاروں کے ذریعہ دیکھا گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شہر مینامہ کا دو تہائی حصہ آگ سے برباد ہو گیا۔ بڑی مصیبت یہ ہے۔ کہ ریلوے کی پٹڑی برف کی وجہ سے بند ہے۔ اور اس پر پناہ گزین لوگ بھوکے پیاسے پڑے ہیں۔ دیگر صوبجات میں بھی بعض قصبوں کا یہی حال ہوا ہے۔

—— امریکہ کے کروڑپتی موٹر ساز مسٹر فورڈ نے فصل کو میعاد سے قبل بجلی سے پکانے کا طریقہ دریافت کیا ہے۔ اس نے اس طریق کار کے تجربہ کے لئے ایک بہت بڑا خطہ اراضی خرید کیا ہے۔ وہاں ہر شخص جا کر دیکھ سکتا ہے۔ کہ مسٹر فورڈ کا طریق کار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فصل بو کر مہینوں انتظار کرنے اور اس پر محنت کرنے کی ضرورت نہیں نیز ہر موسم میں ہر چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ صرف بجلی کی امداد کی ضرورت ہے اس کا قول ہے۔ کہ مشین سے ہل چلاؤ۔ اور دو دن میں ڈھیلے وغیرہ توڑ کر بڑے سے بڑا کھیت تیار کر لو۔ ایک دن مشین سے بیج بکھیر دو۔ ۵ دن میں غلہ بجلی کے ذریعے سے پیدا کرو۔ اور ایک دن میں اسے مشین سے کاٹ کر سکھاؤ۔ دو دن میں غلہ نکال کر بوریوں میں بھر دو۔ یہ ۱۲ دن ہوئے۔ تین دن اور رکھ لو۔ پندرہ دن میں وہ کام ہو جائیگا۔ جو مہینوں میں ہو سکتا ہے۔ جب پوچھا گیا۔ کہ مشین تو ہر کسان خرید نہیں سکتا۔ اس کا کیا علاج ہے۔ تو مسٹر فورڈ نے کہا کہ ہر گاؤں یا علاقہ میں انجمن مزارعین بناؤ۔ یہ مشین خرید کر کے کرایہ پر دہقانوں کو باری باری دیدو۔ اس طرح سال میں متعدد فصلیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔

(منشی عبد الرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)